یقینی خطرہ
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۵۵۳

یقینی خطرہ

اشتیاق احمد

نام ناول —— یقینی خطرہ
بار اوّل —— یکم دسمبر ۱۹۹۲ء
طابع —— اشتیاق احمد
کتابت —— سعید نامدار
سرورق —— طاہر ایس ملک
قانونی مشیر —— اعجاز احمد ایڈووکیٹ
مطبع —— عظیم علیم پرنٹرز
قیمت —— دس روپے

حضرت ابنِ عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے، آقائے نامدار حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جب دستر خوان بچھایا جائے تو اپنے پاس سے کھائے اور اپنے ساتھی کے سامنے سے نہ لے ۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف ، جلد سوم
صفحہ نمبر ۵۳ ، حدیث نمبر ۱۵۸

(اس یہ بدتمیزی ہے کہ دوسرے کے سامنے سے کھانا۔ اپنے سامنے سے کھانا چاہیے اور کھانا سب یکساں ہے، لیکن میوہ جات میں یہ جائز ہے کہ جہاں سے چاہے اُٹھا لے)

دو باتیں

السلام علیکم !

زندگی بہت عجیب چیز ہے ۔ ہر شخص اسے اپنی مرضی کے مطابق گزارنا چاہتا ہے ، لیکن آج تک شاید کوئی بھی اس کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں گزار سکا ۔ اس لیے کہ وہ چاہتا کچھ ہے ۔ ہوتا کچھ ہے ۔ یا ہوتا کچھ ہے ۔ کرتا کچھ ہے ۔ کوئی بُرے سے بُرا انسان بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے پوری کی پوری زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزاری ہے ۔ شاید اس دُنیا میں ایسا کوئی آدمی ڈھونڈے بھی نہ ملے ۔

تو پھر اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے ۔ ذرا غور کریں ، میں اس نقطے پر آپ کو لانا چاہتا ہوں ، انسان چاہتا ہے ، بے تحاشہ دولت کمالے ۔ خوب نام کمالے ۔ دُنیا بھر میں مشہور ہو جائے ۔ اس کی شہرت

آسمان کی بلندیوں کو چھولے ۔ لیکن کیا ہر آدمی اپنی خواہش میں کامیاب ہو جاتا ہے ؟ نہیں ، ہرگز نہیں !

تو پھر اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس دُنیا میں سب کچھ صرف اور صرف اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے ۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا ۔ اگر ہم صرف اس بات پر غور کر لیں ۔ تو بہت سی پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں ۔ آپ ابھی سے تجربہ شروع کر دیں ۔ تجربہ ہو جائے گا ۔

اشتیاق

سر پھرے

"منصوبہ کیا ہے باس؟" کمرے میں موجود دس میں سے ایک نے پوچھا۔

"رضوان حلیمی کی کوٹھی کو بم سے اڑانا ہے۔ وہ بھی اس وقت اڑانا ہے، جب وہاں بہت بڑے بڑے لوگوں کی میٹنگ ہو رہی ہو گی۔" باس کی کھردری آواز کمرے میں گونجی۔

"تو کیا رضوان حلیمی کے ہاں کوئی بڑی میٹنگ ہونے والی ہے؟" ایک نے پوچھا۔

"بالکل! ملک کے مشہور و معروف لوگ وہاں آ رہے ہیں، اس میں سرکاری آفیسرز، ملک کے عقل مند ترین لوگ، سائنس دان، تاجر اور سیاست دان غرض بھی قسم کے ماہرین شرکت کر رہے ہیں۔ چھ سو آدمیوں کی دعوت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔"

"اور — اور آپ ان سب کو اڑا دینا چاہتے ہیں"۔ تیسرے نے کانپ کر کہا۔

"ہاں! ذرا سوچو — یہ اس سال کی سب سے بڑی دھماکا خیز خبر ہو گی"۔

"لیکن آپ کو کیا فائدہ ہو گا باس؟"

"بس یہ نہ پوچھو — مجھے تو یہاں مقرر ہی اس مُلک کی جڑیں کاٹنے کے لیے کیا گیا ہے — کیا اس طرح جڑیں کٹیں گی یا مضبوط ہوں گی؟" باس ہنسا۔

"کٹ — کٹیں گی"۔ ایک اور نے گھبرا کر کہا۔

"تمہیں یاد نہیں وُہ حادثہ — جب اس ملک کے صدر کو انتیس جرنیلوں سمیت اڑا دیا گیا تھا"۔

"ج — جی ہاں یاد ہے — تو پھر؟"

"تو پھر کیا — اس جیسے حادثات یہاں میرے علاوہ اور کون کرا سکتا ہے"۔

"آپ — آپ کون ہیں — کم از کم ہمیں یہ تو بتا دیں، آپ اس عمارت میں کس راستے سے آتے ہیں، کس راستے سے جاتے ہیں، کیونکہ ہم نے آج تک آپ کو نہ کبھی آتے دیکھا ہے — نہ جاتے — اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ اس عمارت میں ہی رہتے ہوں۔

کبھی بھی کہیں نہ آتے جاتے ہوں"۔

"بس تم اس چکر میں نہ پڑنا — ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے — اور میں تمہاری جگہ دس اور رکھ لوں گا، کیونکہ اس تنخواہ میں تو لوگ دوڑ کر آتے ہیں — ذرا سوچو — پچاس ہزار روپے ماہوار دیتا ہوں میں تم لوگوں کو"۔

"یہ بات بھی ہم لوگوں کے لیے کم حیرت انگیز نہیں — آخر آپ اس قدر تنخواہ ہمیں کہاں سے دیتے ہیں — آپ کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟"

"اس چکر میں بھی کبھی نہ پڑنا — صرف اور صرف وہ کام کرتے رہنا — جس کا میں حکم دوں — اب حلیمی ہاؤس کو اڑانے کا منصوبہ بنا کر میرے پاس لاؤ — جس کا منصوبہ سب سے زیادہ بہترین ہوا، میں اسے تنخواہ سے پچاس ہزار روپے زائد بطور انعام دوں گا"۔

"ہوں! ٹھیک ہے — ہمارے پاس ابھی کتنا وقت ہے؟" ایک اور نے پوچھا۔

"اب یہاں اگلے ہفتے پھر میٹنگ ہو گی"۔

"حلیمی ہاؤس میں میٹنگ ہونے میں ابھی کتنے دن باقی

ہیں سر؟"

"اس کا فی الحال اعلان نہیں کیا گیا، لیکن بہت جلد اعلان ہو جائے گا۔"

"اور یہ میٹنگ ہو کس سلسلے میں رہی ہے؟"

"ملک کو ان گنت مسائل سے نکالنے کے لیے۔ ہم جیسوں کی کوششوں سے اس ملک میں بے شمار مسائل پیدا ہو چکے ہیں — سب سے بڑا مسئلہ ہے امن کا۔ کسی شہر میں بھی امن نہیں ہے — دنگا فساد، بموں کے دھماکے — قتل و غارت گری — فرقہ وارانہ فسادات ہم لوگوں نے اس قدر کرا دیے ہیں کہ اب یہ آگ کہیں نہ کہیں اچانک بھڑک ہی اٹھتی ہے — یہ سب لوگ مل کر کوئی ایسا حل سوچیں گے — بلکہ سوچ کر اس جگہ آئیں گے اور اپنا اپنا حل پیش کریں گے — جس کا حل قابلِ قبول ہو گا — حکومت اس پر عمل کرے گی۔ اس طرح یہ لوگ ملک میں امن قائم کرنے کی ایک بھر پور کوشش کرنا چاہتے ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں، ایسا نہ ہو سکے — اس ملک کے لوگ ہمیشہ لڑتے مرتے رہیں، یہاں بھائی چارے کی فضا ہرگز نہ پیدا ہو۔"

"آخر کیوں باس — آپ کا — یا آپ جن لوگوں کے لیے

کام کرتے ہیں — ان کا اس میں کیا حرج ہے؟"

"حرج — کوئی ایسا ویسا — اگر یہاں بھائی چارے کی فضا قائم ہو گئی — تو یہ ملک اسلام کا قلعہ بن جائے گا — اور پھر اسلام کا یہ قلعہ انشادجہ جیسے ملکوں کو ہلا کر رکھ دے گا — بنگال جیسے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے — لیکن ہم ایسا وقت ہی کیوں آنے دیں — انھیں چودہ سو سال پہلے کی حالت پر کیوں لوٹ جانے دیں، جب ان کے نبی نے ان میں بھائی چارے کی ایک عجیب فضا پیدا کر دی تھی — ذرا غور کرو — مکے کے لوگ جب ہجرت کرکے مدینہ پہنچے — تو مدینے والے انھیں اپنے دو مکانوں میں سے ایک مکان — اپنے پورے کاروبار میں سے آدھا کاروبار — اپنے گھر کی چیزوں میں سے آدھی چیزیں تک دینے کے لیے تیار ہو گئے تھے اور ایسا ہوا تھا — بلکہ یہاں تک بھی ہوا کہ اگر کسی کی دو بیویاں تھیں اور کوئی مہاجر غیر شادی شدہ تھا تو یہ پیش کش کی گئی کہ ایک بیوی کو طلاق دینے کے لیے تیار ہے — وہ چاہے تو اس سے شادی کر لے — اس قسم کی مثالیں دنیا میں کہیں نہیں ملتیں،

جب محبت کی ایسی فضا کسی ملک میں یا کسی بستی میں قائم
ہو جائے تو پھر اس قوم کو کوئی بڑی سے بڑی طاقت
بھی شکست نہیں دے سکتی ـــ پھر وہ ایک لاکھ بھی ہوں
تو ایک ہوتے ہیں ـــ ایک لاکھ نہیں ہوتے ـــ اور ان
کی طاقت ایک لاکھ کی نہیں، گیارہ لاکھ کی ہو جاتی
ہے ـــ اور ان کے جذبوں کو کوئی ایٹمی ہتھیار بھی
شکست نہیں دے سکتا ـــ لہٰذا ہم نہیں چاہتے کہ اس
ملک میں وہ فضا پھر کبھی پیدا ہو ـــ لیکن یہاں چند
سر پھرے ابھی ہیں ـــ جو چودہ سو سال پہلے کی فضا
کے لیے تڑپتے رہتے ہیں ـــ اور ایسے ہی سر پھرے
یہ میٹنگ بلا رہے ہیں۔"

"تو کیا رضوان حلیمی بھی ایسا ہی ایک سر پھرا ہے۔"

"ہاں! تبھی تو یہ میٹنگ اس کے ہاں ہو رہی ہے،
وہ ملک کا بہت بڑا سیاست دان ہے ـــ بہت بڑا
وکیل ہے ـــ بہت بڑا تاریخ دان ہے، ملک کے
صدر اور وزیرِ اعظم تک اس کی عزت کرتے ہیں ـــ لہٰذا
اس کے لیے ایسی میٹنگ بلانا کیا مشکل ہے بھلا۔"

"ہوں! لیکن باس ـــ کیا اس میٹنگ کے دوران عمارت
کی حفاظت کے انتظامات نہیں کیے جائیں گے؟"

"کیوں نہیں کیے جائیں گے ـــ تم لوگوں کو بلانے کی
وجہ بھی تو یہی ہے ـــ کہ..." باس کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ کہتے کہتے رک کیوں گئے باس؟" ایک نے پریشان
ہو کر کہا۔

"اگر وہاں حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں کوئی خاص
قدم نہ اٹھایا جاتا تو میں بھی خاص طور پر یہ میٹنگ نہ بلاتا،
اور سرسری انداز میں تم لوگوں کو کہہ دیتا کہ اس عمارت کو
اس وقت اڑ جانا چاہیے، جب وہاں میٹنگ ہو رہی ہو
لیکن اب یہ کام اس قدر آسان نہیں ہو گا۔"

"آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ عمارت کی حفاظت کے انتظامات ابھی
سے انسپکٹر جمشید کو سونپ دیے گئے ہیں ـــ اور وجہ اس
کی یہ ہے کہ حکومت کے خفیہ محکموں نے اطلاع
دی ہے کہ اس عمارت کو میٹنگ کے دوران اڑا دیا
جائے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ایوانِ صدر میں خاص لوگوں کی ایک میٹنگ ہو رہی
تھی — ان میں انسپکٹر جمشید بھی تھے اور کافی سنجیدہ نظر آ
رہے تھے — ایک صاحب پُرجوش انداز میں کہہ رہے تھے :

" ان حالات میں جب کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ
حلیمی ہال کو اڑا دیا جائے گا — آخر وہاں میٹنگ کیوں
کی جائے — کیا یہ مناسب نہیں رہے گا کہ عین وقت پر
میٹنگ کا کوئی اور مقام مقرر کر دیا جائے اور سب لوگ
وہاں پہنچ جائیں "

میرے خیال میں یہ ایک بہترین تجویز ہے " ایک اور
صاحب بولے۔

" جمشید ! تم اپنا خیال پیش کرو " صدر صاحب بولے۔

" مسئلہ یہ ہے کہ دشمن طاقتوں نے ہمیں گویا چیلنج دے
دیا ہے — یہ بات مشہور کر دی ہے کہ اس ہال کو اس
وقت اڑا دیا جائے گا ، جب کہ وہاں میٹنگ ہو رہی ہو
گی — اب اگر ہم میٹنگ وہاں نہیں کرتے تو اس کا
مطلب یہ ہو گا کہ ہم ان کے مقابلے میں ڈر گئے ، شکست
کھا گئے — میں یہ چاہتا ہوں کہ میٹنگ تو وہاں ہی ہو ،
لیکن عمارت ہر طرح محفوظ رہے ، لوگ محفوظ رہیں — اور
یہ ذمے داری مجھ پر ڈال دی گئی ہے ، لہٰذا میں تو یہی

کہوں گا کہ اجلاس وہیں ہو "

" اس طرح ہم چھے سو قیمتی جانوں کو خطرے میں
ڈالیں گے اور ایسا کرنا کسی طرح بھی عقل مندی نہیں ہو
گی " ایک اور صاحب نے منہ بنا کر کہا۔

" میں چاہتا ہوں — اس بارے میں سب کی رائے
لے لی جائے — اور سب کی رائے کو ریکارڈ کر لیا جائے ،
پھر ان آرا کو سُن کر غور کر کے فیصلہ کیا جائے " انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

" ضرور — کیوں نہیں — سب کا فیصلہ یہی ہو گا کہ میٹنگ
کہیں اور رکھی جائے "

" سب کی فرداً فرداً رائے لے لینے میں کیا حرج ہے ،
آپ لوگ ایک ایک کر کے اُٹھتے جائیں اور اپنی رائے دیتے
جائیں " انسپکٹر جمشید بولے۔

" بالکل ٹھیک " صدر صاحب نے کہا۔

اب سب باری باری اٹھنے لگے — الفاظ ریکارڈ ہونے
لگے — آخر سب نے اپنی اپنی رائے دے ڈالی — انسپکٹر جمشید
کاغذ پر بھی نوٹ کرتے جا رہے تھے — آخر میں انھوں
نے بھی اپنی رائے دی — اس جگہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد
بھی موجود تھے — انھوں نے بھی رائے دی تھی —

"سب حضرات نے یہی مشورہ دیا ہے کہ وہاں میٹنگ
نہ ہو — صرف تین کے علاوہ — اور وہ تین ہیں — صدر صاحب
اجلال کامی اور میں۔"
"لہٰذا فیصلہ ہو گیا کہ وہاں میٹنگ نہیں ہو گی۔" وزیر خار
نے کہا —
"میٹنگ وہاں ہو گی یا نہیں ہو گی — میں انسپکٹر جمش
اور اجلال کامی کی ہمت کو داد دیتا ہوں — انسپکٹر جمشید
تو خیر ایسے خطرات مول لینے کے پُرانے کھلاڑی ہیں
حیرت تو اجلال کامی صاحب پر ہے — آپ لوگ جانتے
ہی ہیں — یہ ہمارے ملک کے بہت بڑے سیاست دان
ہیں — بہرحال ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے
دوسری طرف رضوان حلیمی صاحب ہیں — انھوں نے بھی
اپنے ہال میں میٹنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے — گویا یہ
بھی ڈر گئے ہیں۔"
"معاف کیجیے گا — مجھے اپنی عمارت کے اڑنے کا کوئی
خوف نہیں — ان چھے سو افراد کی زندگیوں کا خوف ہے —
جو وہاں ہوں گے — اور خود میں بھی تو وہاں ہوں گا —
اپنی جان کس کو پیاری نہیں ہوتی۔"
"ہوں! بہرحال یہ طے رہا کہ میٹنگ وہیں ہو گی —

اور انسپکٹر جمشید اس بات کی گارنٹی دیں گے کہ وہ عمارت
کو اڑا دینے کی سازش کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے
دیں گے۔"
"کم از کم میٹنگ کا وقت ہی اچانک تبدیل کر دیا جائے،
چند گھنٹے پہلے کر لی جائے — اس طرح دشمن کا انتظام دھرا
کا دھرا رہ جائے گا۔" رضوان حلیمی نے ایک اور تجویز
پیش کی۔
"بہت خوب — یہ ایک اور بہترین مشورہ ہے۔" خان رحمان
نے فوراً کہا۔
"جی نہیں! میٹنگ ہو گی بھی اپنے وقت پر۔"
"اس صورت میں ہو سکتا ہے — بہت سے لوگ شرکت
ہی نہ کریں۔"
"کوئی پروا نہیں — دیکھنا تو یہی ہے — کہ کون شرکت
کرتا ہے اور کون نہیں — وطن کے لیے کون خوشی سے جان
دینے کے لیے آتا ہے اور کون نہیں آتا۔"
"یہ وطن کے لیے جان دینا نہیں ہوا — بلکہ اسے
تو خودکشی کرنا کہیں گے۔" رضوان حلیمی نے کہا۔
"ایسی بات نہیں — اگر وہاں دھماکا ہو گیا — تو مرنے
والے شہید ہوں گے اِن شاء اللہ۔"

"بہر حال — آپ کا فیصلہ یہی ہے — کہ میٹنگ وہیں ہو گی — اگرچہ یہاں موجود تمام لوگوں نے یہ رائے دی ہے کہ وہاں نہیں ہونی چاہیے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تو پھر میٹنگ کو بلانے کی کیا ضرورت تھی — یہ فیصلہ پہلے ہی سُنا دیا جاتا کہ میٹنگ ہر حال میں وہیں ہو گی۔" ایک نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"یوں سمجھ لیں کہ یہ میٹنگ ایک امتحان ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"امتحان — کیا مطلب؟"

"وطن کے لیے جان دینے کے لیے کون تیار ہے اور کون نہیں — میٹنگ کے دن معلوم ہو جائے گا، کیونکہ جتنا امکان اس بات کا ہو گا کہ ہم دھماکا نہیں ہونے دیں گے — اتنا ہی امکان اس بات کا ہو گا کہ عمارت اڑ جائے گی — لہٰذا جن میں مرنے کی ہمت ہو گی۔ صرف وہی لوگ آئیں گے اور ہمیں اس میٹنگ میں ضرورت بھی صرف انھی لوگوں کی ہو گی۔"

"اوہ!" سب کے منہ سے نکلا۔

"بس جمشید — طے ہو گیا — چاہے کچھ ہو جائے —

چاہے میٹنگ میں شریک ہونے کے لیے ایک آدمی بھی نہ آئے — ہم میٹنگ وہیں کریں گے۔" صدر صاحب نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔

"آپ کا یہ فیصلہ سُن کر بہت خوشی ہوئی — میں بھی یہی چاہتا تھا۔"

"تو اب یہ میٹنگ برخاست — آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے — ایسے میں انسپکٹر جمشید کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے —

بائیں ہاتھ کا

"کیا بات ہے جمشید — تمھارا ارادہ یہیں ٹھہرنے کا ہے؟"
خان رحمان نے انھیں اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے دیکھ کر کہا۔

"مم — میں چلوں گا — لیکن میں نے ایک چیز دیکھی ہے۔"

"تو ہمیں بھی دکھا دو — روکا کس نے ہے؟"

"سب کے جانے کے بعد۔" وہ مسکرائے۔

"تب پھر ہم بھی بیٹھ جاتے ہیں۔" انھوں نے کہا اور پروفیسر کے ساتھ وہ بھی بیٹھ گئے۔

آخر ہال خالی ہو گیا — صدر صاحب سب کو رخصت کرکے مڑے اور انھیں دیکھ کر حیران رہ گئے:

"کرنے کے لیے کوئی اور بات رہ گئی کیا؟"

"جی ہاں! ایک بات — جب یہ لوگ ایوانِ صدر تک پہنچ سکتے ہیں تو علیمی ہال ان کے لیے کیا مشکل ہے۔"

"کیا مطلب — کون لوگ یہاں پہنچ سکتے ہیں؟"

"آپ کے اس ہال میں اگر وہ کوئی آلہ چسپاں کر سکتے ہیں تو وہ اور کیا کچھ نہیں کر سکتے — صرف بم ہی تو رکھنا ہوتا ہے — یہ دیکھیے — اس گل دان میں ایک ٹرانسمیٹر موجود ہے — اس ٹرانسمیٹر کی جگہ وہ ایک عدد بم بھی رکھ سکتے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے — یہاں ہونے والی گفت گو بھی سُن لی گئی ہے۔"

"ہاں! اگرچہ ہم نے یہاں کوئی خفیہ بات طے نہیں کی۔"

"بات سنگین ہے۔" صدر صاحب بولے۔

"آپ صدر دروازہ بند کروا دیں — میں چیک کروں گا یہاں کے عملے کو — صاف ظاہر ہے — یہ کام اندر کے کسی آدمی کا ہی ہو سکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا۔

اور پھر سارے عملے کو وہاں طلب کر لیا گیا — انھیں ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا — انسپکٹر جمشید نے ان سب کو بغور دیکھنا شروع کیا:

"آپ لوگ میری طرف دیکھیں — کوئی نظریں نہیں جھکائے گا۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

سب اُوپر دیکھنے لگے — سب کو بغور دیکھنے کے بعد

وہ بولے:

"آپ لوگ جانتے ہیں — آپ کو یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

"جی نہیں — بھلا ہم کس طرح جان سکتے ہیں۔"

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے — لیکن آپ لوگوں میں سے کم از کم ایک ایسا ضرور ہے — جو یہ بات جانتا ہے کہ ہم نے آپ لوگوں کو یہاں کیوں بلایا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک گئے۔

"اس ہال میں ایک گل دستے میں ایک ٹرانسیٹر رکھا گیا ہے — اور یہ کام یہاں کے عملے کے علاوہ اور کسی کا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"یہ ضروری نہیں سر۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا ضروری نہیں؟" انھوں نے اسے گھورا۔

"یہ کہ یہ کام ہم میں سے ہی کسی کا ہو، یہ کام باہر کے کسی آدمی کا بھی ہو سکتا ہے — یہاں جو لوگ آئے تھے، ان میں سے بھی کسی کا ہو سکتا ہے۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا آپ کا — یہاں جو لوگ آئے تھے، ان میں سے کسی کو تو یہ حرکت کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی — ان کے سامنے تو ساری بات ہونا تھی اور جس کے لیے وہ یہ آلہ لگاتے — اسے باہر جا کر

خود بتا سکتے تھے — جی نہیں — یہ کام ان میں سے کسی کا بھی نہیں، یہ صرف اور صرف یہاں کے کسی آدمی کا کام ہے — کیوں جنابِ صدر؟"

"بالکل! میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔" صدر صاحب نے کہا۔

"شکریہ سر — اب سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے — جس نے یہ آلہ گل دان میں رکھا — آپ میں سے گل دستے اندر کون لایا تھا؟"

"م — میں۔" ایک نے ہکلا کر کہا۔

"کیا آپ یہاں مالی ہیں؟"

"جی نہیں — مالی تو باہر تک ہی رہتا ہے — یہ گل دستے اس نے بنا کر میرے حوالے کیے تھے اور میں نے اندر میز پر رکھے تھے۔"

"تب تو یہ کام آپ کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں جناب — یہ حقیقت ہے — یہ کام میرا نہیں۔"

"آخر کیسے — کیا اب ہم اس سلسلے میں مالی کو پکڑیں؟"

"میرے خیال میں تو اس سے پوچھنا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے — جا کر مالی کو لے آئیں — اگر آپ نہ آئے تو ہم خیال کریں گے کہ یہ کام آپ کا تھا، مالی

کا نہیں تھا۔" وہ بولے۔

"مجھے فرار ہونے کی ضرورت نہیں ۔ جب کہ یہ کام میرا نہیں ہے۔"

وہ چلا گیا، لیکن جلد ہی اس کی واپسی ہوئی ۔ اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی:

"مالی غائب ہے سر۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات ۔ مطلب یہ کہ مجرموں کے ساتھ مالی مل گیا تھا ۔ آپ جا سکتے ہیں ۔ ویسے آپ کا نام کیا ہے؟"

"نور خان۔" اس نے کہا۔

"شکریہ! آپ جا سکتے ہیں۔"

اس کے جانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"آپ لوگوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یہی کہ اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"لیکن میں ابھی یقین سے یہ بات نہیں کہہ سکتا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے، اس نے باہر جا کر مالی کو غائب ہو جانے کا مشورہ دیا ہو ۔ یہ اور مالی آپس میں ساتھی ہوں۔"

"تو اس کی نگرانی پر کسی کو مقرر کر دیتے ہیں۔"

صدر صاحب بولے۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے اکرام کو فون کیا۔ اور اسے ہدایات دیں ۔ اکرام فوراً وہاں پہنچ گیا:

"ایوانِ صدر میں ایک شخص نور خان نامی عملے میں موجود ہے ۔ صفائی کے عملے میں ۔ اس کی نگرانی کرنا ہے۔ اس طرح کہ اسے ذرا بھی شک نہ ہو ۔ ایوانِ صدر کا مالی غائب ہے ۔ اس کا بھی فوراً پتا چلانا ہے۔"

"او کے سر! یہ کیا مشکل کام ہے۔"

"اور ہمیں پتا چلانا ہے ۔ یہ لوگ کس کے لیے کام کر رہے ہیں ۔ ہمارے پاس وقت بھی بہت کم ہے ۔ لہٰذا یہ کام جس قدر جلد ہو جائے، بہتر ہے۔"

"بہت اچھا سر ۔ میں اسی وقت کام شروع کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

"حلیمی ہال کی کیا رپورٹ ہے جمشید؟"

"وہاں! خفیہ فورس موجود ہے ۔ ایک ایک آدمی پر ان کی نظر ہے ۔ یہاں تک کہ رضوان حلیمی پر بھی ان کی نظر ہے ۔ گھر کے ہر فرد کو بھی وہ چیک کر رہے ہیں، بم سکواڈ کا عملہ ہر وقت وہاں موجود ہے ۔ پروفیسر داؤد کے نصب کردہ سائنسی آلات پوری طرح کام کر رہے ہیں

اور اب ہم وہیں جا رہے ہیں سر۔"

"بہت خوب! لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کہاں ہیں؟"

"حلیمی ہال میں ہی موجود ہیں۔ وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ ہمارا کام دراصل یہ ہے کہ غلط آدمی کو وقت سے پہلے پکڑ لیں۔ بس صرف اسی صورت میں ہم ان کے وار سے بچ سکیں گے۔"

"بالکل ٹھیک جمشید۔ مجھے تم سے بہت اُمیدیں ہیں۔"

"اِن شاء اللہ ہم آپ کی اُمیدوں پر پُورا اُتریں گے۔ ویسے آپ کا فیصلہ سُن کر مجھے حد درجے خوشی ہوئی تھی، اگر آپ یہ فیصلہ کرتے کہ وہاں اجلاس نہیں ہو گا تو مجھے بہت افسوس ہوتا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" صدر صاحب مسکرائے۔

اور وہ ان سے رخصت ہو کر حلیمی ہال پہنچے۔ پروفیسر داؤد نے فوراً اپنے کنٹرول روم کا رُخ کیا۔ یہاں بیٹھ کر وہ عمارت میں نصب تمام آلات پر نظر رکھ سکتے تھے اور اگر کہیں بھی کوئی گڑبڑ ہوتی تو انھیں فوراً پتا چل جاتا۔ خان رحمان نے اپنے مورچے کا رُخ کیا۔ ان کی ڈیوٹی دروازے پر تھی۔ اندر آنے والے کسی بھی شخص کو چیک کیے بغیر اندر نہ جانے دینا ان کی ذمّے داری

تھی۔ اور انھیں چیک کرنے والے آلات بھی دے دیے گئے تھے۔ اِنسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، لیکن وہ انھیں کہیں بھی نظر نہ آئے۔ اب انھوں نے خفیہ فورس کے ایک آدمی سے ان کے بارے میں پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہال کی طرف گئے تھے۔ پھر میں نے انھیں ہال سے باہر آتے دیکھا نہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کو ہال میں ہی ملیں گے۔"

"اوہ اچھا!" انھوں نے کہا اور آگے بڑھے۔

یہ ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ اس میں اَن گنت کمرے تھے۔ اس کا ہال اس قدر بڑا تھا کہ اس میں ہزار آدمی کرسیوں پر بیٹھ سکتے تھے۔ اسی لیے اس ہال میں یہ میٹنگ رکھی گئی تھی۔ اس عمارت کے گرد بہت بڑا باغ تھا۔ اس میں ہر قسم کے پودے لگائے گئے تھے۔ پھلوں کے بھی اور پھولوں کے بھی۔ اور یہ عمارت یوں بھی کافی اونچائی پر تھی، دُور سے یوں لگتا تھا جیسے کسی ٹیلے پر بنائی گئی ہو۔

اس عمارت میں اس سال کا اہم ترین اجلاس ہو رہا تھا، لیکن خفیہ ایجنسیوں کی اطلاع یہ تھی کہ اجلاس

کے دوران اس عمارت کو بموں سے اڑا دینے کا انتظام
کر لیا گیا تھا، لہٰذا وُہ یہاں موجود تھے۔

انسپکٹر جمشید نے ہال میں داخل ہو کر ان کی تلاش
میں نظریں دوڑائیں، لیکن وہ یہاں بھی نہیں تھے۔
اب تو انھیں بہت حیرت ہوئی۔ پھر انھوں نے پوری
عمارت میں انھیں تلاش کر ڈالا، لیکن تینوں کا کہیں
نہ تھا۔

●

شہر کی اُسی عمارت میں دس آدمی اپنے باس کا
انتظار کر رہے تھے آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا،
جب بھی انھیں یہاں بلایا گیا۔ اور وہ یہاں آئے تو
باس کو پہلے سے موجود پاتے تھے۔ آخر فون کی گھنٹی
بجی۔ ایک نے چونک کر ریسیور اٹھایا۔ دُوسری طرف سے
کسی نے کہا:

"تم لوگ یہاں موجود ہو۔ ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں! ہم موجود ہیں۔"

"میں ذرا ایک جگہ مصروف ہوں۔ اس وقت تم جا

سکتے ہو۔ میں اب رات کو گیارہ بجے ملوں گا۔ گیارہ
بجے تم پہنچ جانا۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے رخصت ہو گئے؛ تاہم ان کے
چہروں پر حیرت تھی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا
تھا۔ رات کو گیارہ بجے وُہ جب عمارت میں داخل ہوئے
تو باس وہاں موجود تھا۔

"خیریت تو رہی باس۔"

"ہاں! ہر طرح خیریت ہے۔ اب تم لوگ اپنی اپنی
تجاویز پیش کرو۔"

"ہم نے معلومات حاصل کی ہیں سر۔ انسپکٹر جمشید نے
زبردست انتظامات کیے ہیں اور ہماری کامیابی کے امکانات
نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

"میں نے یہ الفاظ سننے کے لیے تمھیں یہاں نہیں بلایا۔" اس
نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہم۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا باس کہ ہم کوئی کوشش کر
ہی نہیں سکتے۔ کوشش ہم کریں گے اور بھرپور کوشش کریں گے۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں۔ اپنی اپنی تجاویز پیش کرو۔"

انھوں نے باری باری تجاویز پیش کیں۔ ہر ایک کی

تجویز پر اس کا منہ بنتا رہا، آخر جب دس کے دس بتا
تو اس نے کہا:

"میں جانتا تھا — تم کوئی کام کی تجویز پیش نہیں کر
گے — اسی لیے میں بھی ایک عدد تجویز لایا ہوں۔"

"بہت خوب! تب پھر آپ کو ہماری تجاویز سننے
ضرورت ہی کیا تھی باس۔" ایک نے کہا۔

"دیکھنا چاہتا تھا — تم لوگ کتنے پانی میں ہو۔ اب
تجویز کو غور سے سنو، اس لیے کہ اس پر تم لوگوں کو
بھی کرنا ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آواز حد درجے نیچی ہو
انھیں یوں لگا جیسے وہ سرگوشی کر رہا ہو — وہ اس کی تجو
سنتے چلے گئے — ساتھ ساتھ ان کی آنکھیں پھیلتی چ
گئیں — اور جب وہ خاموش ہوا — تو ان کی حیرت
انتہا نہ رہی — کیونکہ اب علیمی ہال کو اڑا دینا انھیں با
ہاتھ کا کھیل دکھائی دینے لگا تھا۔ اور ان پر حد درجے
جوش طاری ہو چکا تھا۔

اس طرف دیکھو

محمود، فاروق اور فرزانہ نے علیمی ہال کے سامنے رک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"تو یہ ہے وہ عمارت — جس کا ہمیں جائزہ لینا ہے — اور جس میں دشمن عناصر بم کا دھماکا کرنا چاہتے ہیں۔" محمود بڑبڑایا۔

"اور ہمیں اس کو بم کے دھماکے سے بچانا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اور اس سلسلے میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اپنے ساتھ ان لوگوں کا تو خیال کرو — جو اس ہال میں بیٹھنے والے ہیں — کیا وہ اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر یہاں نہیں بیٹھیں گے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ارے تو ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی — میٹنگ

اچانک کہیں اور رکھی جا سکتی تھی ۔ اس طرح دشمن عنا
کا پروگرام دھرا کا دھرا رہ جاتا۔"

"لیکن صدر صاحب اور ہمارے ابا جان اس پروگرا
میں تبدیلی ہرگز پسند نہیں کریں گے ۔ اور آج اسی سلسل
میں ایوانِ صدر میں میٹنگ ہو رہی ہے۔"

"ہو رہی ہے تو ہونے دو ۔ وہ جو طے کرتے ہ
کرنے دو ۔ ہمیں ہر حال میں اپنا کام کرنا ہے ۔
دیکھنا ہے کہ اس عمارت میں وہ کون سی جگہ ہو سکتی ہ
جہاں بم رکھا جا سکتا ہے۔"

"ہم لوگ بھی عجیب ہیں ۔ دوسرے لوگ اس وق
حرکت میں آتے ہیں، جب بم کہیں رکھا جا چکا ہو ۔
لیکن ہم اس وقت کام شروع کر رہے ہیں، جب ابھ
بم رکھا نہیں گیا ۔ اور ہمیں صرف یہ اندازہ لگانا
ہے کہ بم رکھا کہاں جائے گا ۔ ہے نا کمال۔"

"یہ ابا جان کی تجویز ہے ۔ اور ہمیں اس سے اتفاق
ہے ۔ اگر ہم بم رکھے جانے سے پہلے یہ معلوم کرنے
میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔ کہ بم رکھا کہاں جائے گا
تو ذرا غور کرو ۔ ہمارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے یا نہیں۔"

"بے شک ہو جاتا ہے، لیکن یہ معلوم کرنا بھی تو

آسان کام نہیں ہوگا ۔ ہم کوئی نجومی تو ہیں نہیں ۔
اور پھر اندازے لگانے میں تو ابا جان سب سے
زیادہ ماہر ہیں ۔ ہم نہیں ۔ یہ کام انھیں کرنا چاہیے
تھا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم عجیب ہو ۔ انھیں ایوانِ صدر جانا تھا ۔ وہاں
نہ جانا ہوتا تو ضرور ہم لوگوں کے ساتھ یہاں آتے ۔ اب
بھی وہ فارغ ہو کر ادھر ہی آئیں گے ۔ لہٰذا ان
کی آمد سے پہلے پہلے ہمیں اپنا کام پورا کر لینا
چاہیے، تاکہ جب وہ آئیں تو اس عمارت میں
ہم دو تین ایسی جگہیں انھیں دکھا سکیں ۔ جہاں بم رکھا
جانے والا ہے۔"

"بالکل ٹھیک ۔ آؤ۔"

وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ دروازے پر انھیں روک
لیا گیا ۔ وہاں خفیہ فورس کے نوجوان مقرر تھے ۔ اور
انھیں بخوبی جانتے تھے، لیکن اس کے باوجود انھیں
روک لیا گیا:

"آپ اندر نہیں جا سکتے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کیوں ۔ ہو کیوں نہیں سکتا ۔ بلکہ ہونے کو اس دنیا

میں کیا نہیں ہو سکتا۔" ایک نے مسکرا کر کہا۔

"کیا ابّا جان کی ہدایت آپ کو نہیں ملی؟"

"ضرور ملی ہے، لیکن ہمیں کیا پتا کہ آپ تینوں اصلی ہیں یا نقلی۔"

"اوہ ہاں! تو پھر آپ پہلے ہمیں چیک کر لیں۔"

"میرا کہنے کا مطلب یہی تھا کہ جب تک آپ کو چیک نہیں کر لیا جاتا، اس وقت تک آپ اندر نہیں جا سکتے۔"

"چلیے — یہ بات تسلیم۔" محمود مسکرایا۔

اور پھر انھیں چیک کیا گیا — آلات کے ذریعے بھی اور آلات کے بغیر بھی — جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو پھر وہ بولے:

"اب آپ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ! آپ جانتے ہیں — ہمیں اندر جا کر کیا کرنا ہے؟" محمود بولا۔

"جی نہیں — یہ بات انسپکٹر صاحب نے ہمیں نہیں بتائی۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات — ابّا جان ہوں تو ایسے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم تو یہ کہیں گے — انسپکٹر ہوں تو ایسے۔" ان میں سے ایک نے مسکرا کر کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھے — پہلے انھوں نے باغ کا — چار دیواری کا اور چار دیواری کے ساتھ لگے درختوں کا جائزہ لیا۔

"کیا خیال ہے — اس چار دیواری سے تو کوئی اندر نہیں آ سکتا — کیونکہ یہ بہت اونچی ہے — اور درخت اس سے بہت دُور ہیں۔"

"ہاں! اور پھر اس کے چاروں طرف خفیہ فورس موجود ہے۔"

"مطلب یہ کہ ہم اپنی فہرست میں سے اس چار دیواری کو نکال سکتے ہیں — اور اب آگے بڑھتے ہیں۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا۔

"صدر دروازے سے بھی کوئی غلط آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔"

"تو اس کو بھی فہرست سے نکال دو۔" فارُوق چہکا۔

"کہیں ہم اس پوری عمارت کو ہی اپنی فہرست سے نہ نکال دیں۔" فرزانہ نے جھلّا کر کہا۔

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو گی — اس کا مطلب یہ ہو گا کہ بم کا یہاں کوئی خطرہ سرے سے ہے ہی نہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ارے ہاں! کیا یہ نہیں ہو سکتا — کہ یہ خبر کسی نے ایسے ہی اڑا دی ہو اور دشمن عناصر کا ایسا کوئی پروگرام نہ

ہو۔" محمود چونک کر بولا۔

" اس بات کا زبردست امکان ہے، لیکن اس مکان کی وجہ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور کوئی کوشش نہ کریں۔"

" وہ تو خیر ہم کر رہے ہیں ۔ اور جب تک اجلاس ختم نہیں ہو جاتا ، کرتے رہیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" آؤ اب آگے چلیں ۔ یہاں کا جائزہ تو ہو گیا مکمل۔"

وہ آگے بڑھے ۔ انھوں نے پوری عمارت کے ایک ایک کونے کا جائزہ لیا ۔ ہر کمرے کو دیکھا ۔ کمروں میں لگے فانوسوں کا بھی جائزہ لیا ۔

" عمارت میں سو کمرے ہیں ۔ سو ہی فانوس ہیں ۔ اب فرض کیا ۔ کسی ایک فانوس میں بم رکھ دیا جائے۔ تو اس طرح تو بم کو تلاش کرنے میں ہی کافی وقت لگ جائے گا۔"

" جی نہیں ۔ ابا جان اتنے کچے کام نہیں کریں گے ۔ وہ عین وقت پر ہر کمرے پر ایک خفیہ فورس کا آدمی مقرر کریں گے ۔ اجلاس سے کچھ دیر پہلے اس قدر خفیہ فورس کے آدمی نظر آئیں گے کہ کیا ہم نے کبھی دیکھے ہوں گے۔"

" چلو اچھا ہی ہے ۔ اب دیکھ لیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

آخر میں وہ اس ہال میں داخل ہوئے ، جس میں میٹنگ ہونا تھی ۔ اس قدر بڑا ہال وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے تھے ۔ ہال میں ایک بہت بڑی میز ہال کی لمبائی اور چوڑائی کے حساب سے درمیان میں بچھی تھی ۔ اس کے چاروں طرف کرسیاں رکھی گئی تھیں ۔ ہر کرسی کے سامنے سپیکر لگایا گیا تھا ۔ تاکہ آواز ہال کے ہر آدمی تک پہنچ سکے ۔

انھوں نے اس ہال کا بھی بغور جائزہ لیا ۔ ایسے میں فرزانہ نے کہا:

" ایک خیال مجھے ابھی ابھی آیا ہے۔"

" اور وہ کیا؟" محمود نے فوراً کہا۔

" کہیں اس عمارت کے نیچے کوئی تہ خانہ نہ ہو ۔ ایسی صورت میں کیا ہم بے وقوف نہیں بن جائیں گے ۔ مطلب یہ کہ ہم عمارت کے اوپر بم تلاش کرتے رہیں گے، جب کہ بم اس تہ خانے میں ہوں گے۔"

" بات بہت اہم ہے اور خوف میں مبتلا کر دینے والی ہے ۔ میرا خیال ہے ، ہم سارے کام چھوڑ کر تہ خانے کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔"

"لیکن ہم رضوان حلیمی صاحب سے کیوں نہ پوچھیں۔ کہ اس عمارت کے نیچے کوئی تہ خانہ تو نہیں ہے۔"

"وہ اس وقت ایوانِ صدر میں ہیں۔"

"یہاں عمارت سے متعلقہ جو لوگ موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لیتے ہیں۔"

"بہت خوب!"

خفیہ فورس کے ایک آدمی کی مدد سے انھوں نے جلد ہی اپنے گرد تمام متعلقہ لوگوں کو جمع کر لیا، پھر محمود بولا:

"آپ کو اس عمارت کے بارے میں ہر قسم کی معلومات ہیں؟"

"جی ہاں! بالکل۔"

"اچھا تو یہ بتائیں۔ اس عمارت میں کوئی تہ خانہ تو موجود نہیں؟"

"جی۔ تہ خانہ۔ نہیں تو۔"

"کیا یہ بات آپ کو بہت اچھی طرح معلوم ہے۔ آپ یہاں کے پرانے ملازم ہیں۔"

"بہت پرانے۔"

"لیکن اتنے پرانے نہیں ہوں گے، جب یہ بنوائی گئی تھی۔"

"نہیں خیر۔ اتنے پرانے تو ہم نہیں ہیں۔"

"یہی ہمارا خیال تھا۔ لہٰذا اصل بات تو حلیمی صاحب

ہی بتائیں گے۔ شکریہ، آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ چلے گئے۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"لیکن ہم۔ حلیمی صاحب کے انتظار میں وقت نہیں ضائع کریں گے۔ ہم اپنے طور پر تہ خانہ تلاش کریں گے۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ جو چیز ہے ہی نہیں۔ اس کو تلاش کس طرح کریں گے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"ذرا غور کرو۔" فرزانہ نے کہنا شروع کیا تھا کہ فاروق پھر بول اٹھا:

"بہت دیر سے ذرا غور ذرا غور کروا رہی ہو۔ اب یہ ذرا کہاں رہ گیا ہے۔"

"اچھا۔ اگر تم تہ خانہ تلاش نہیں کرنا چاہتے تو ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ میں اور محمود کوشش کر لیتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں تمھارا پورا پورا ساتھ دوں گا فرزانہ۔"

"شکریہ! بھائی ہو تو تم جیسا۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"حد ہو گئی۔ ارے بابا تو میں نے کب کہا ہے کہ تہ خانہ تلاش کرنے کے سلسلے میں تمھارا ساتھ نہیں دوں گا۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"اگر تم نے یہ نہیں کہا تو میں تمھارے لیے بھی کہے دیتی ہوں۔ بھائی ہو تو تم جیسا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اپنے پاس رکھو اپنی تعریف — اور اب آؤ — میں دکھاتا ہوں — تہ خانے کا راستا۔"

"ہائیں — کیا کہا — تہ خانے کا راستا۔"

"ہاں — میں باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ — عقل بھی استعمال کرتا رہتا ہوں۔"

"کیا واقعی؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اچھا — اب مذاق بھی اڑاؤ گے۔"

"نہیں — اڑانے کے لیے اور بہت چیزیں ہیں — فکر نہ کرو۔" محمود مسکرایا۔

"دیکھ لوں گا — اس وقت لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں — ابا جان کیا خیال کریں گے — یہ بے شمار لوگوں کی زندگیوں کا سوال ہے اور ہم آپس میں لڑ رہے ہیں، جانتے بھی ہو، ان آپس کی لڑائیوں نے ہمیں کس قدر کمزور کر دیا ہے۔"

"ہوں! خیر — آؤ — ہم کیوں لڑیں گے آپس میں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

اور پھر وہ ہال کے ایک ایک انچ کا جائزہ لینے لگے، بہت دیر گزر گئی، لیکن انھیں کہیں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی — جس پر کوئی شک گزرتا:

"ہم نے ابھی میز کے نیچے نہیں دیکھا۔"

"یہ بھی کر لیتے ہیں۔"

اور وہ میز کے نیچے گھس گئے — ایسے میں کوئی ہال میں آ جاتا — تو انھیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا تھا — کیونکہ کرسیاں اس طرز کی تھیں کہ ان کے درمیان سے بھی نیچے نہیں دیکھا جا سکتا تھا — وہ میز کے نیچے کا جائزہ لیتے رہے — لیتے رہے — ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری:

"اُف میرے مالک! یہ کیا ہے؟"

دونوں فوراً اس کے نزدیک آ گئے:

"ہاں اب بتاؤ — کہاں کیا دیکھا ہے تم نے؟"

"اس طرف دیکھو۔"

اس نے ان کی توجہ ایک چیز کی طرف دلائی — محمود اور فاروق کی سٹی گم ہو گئی —

کون بتائے گا

انھوں نے خفیہ فورس والوں سے ان کے بارے میں پوچھا — عمارت کے ملازموں اور خفیہ فورس والوں سے بات کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انھیں ہال میں داخل تو ہوتے دیکھا گیا تھا — نکلتے کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ ایک بار پھر ہال میں داخل ہو گئے:

"محمود، فاروق، فرزانہ — تم کہاں ہو؟" انھوں نے بلند آواز منہ سے نکالی۔

لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا — اور آخر انھوں نے بھی ہال کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔ پہلے پورے ہال کو دیکھا گیا — لیکن کوئی خاص بات نظر نہ آئی — ایسے میں عمارت کا ایک ملازم اندر داخل ہوا — وہ اسے دیکھ کر چونک اٹھے:

"کیا بات ہے — آپ یہاں کیوں آئے؟"

"ایک بات بتانے کا خیال نہیں رہا — آپ کے بچوں نے ہم سے یہ بات پوچھی تھی کہ اس عمارت میں کہیں کوئی تہ خانہ تو نہیں ہے۔"

"اوہ — تو پھر — آپ لوگوں نے انھیں کیا بتایا؟"

"یہ کہ ہمارے علم کے مطابق تو تہ خانہ نہیں ہے۔"

"ہوں — جب یہ عمارت بن رہی تھی — تو کیا اس وقت بھی آپ لوگ حلیمی صاحب کی ملازمت میں تھے؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب پھر آپ کو معلوم نہیں ہو سکتا — اب یہ بات حلیمی صاحب سے پوچھنا ہو گی — لیکن وہ ہمارے ساتھ یہاں نہیں آئے — انھیں انتظامات کے سلسلے میں ادھر اُدھر جانا تھا — اور ہم ان کے انتظار میں بیٹھ بھی نہیں سکتے — لہٰذا ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس عمارت کے نیچے تہ خانہ موجود ہے۔"

"بالکل ٹھیک جمشید — تم کہو تو میں آلات کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں۔"

"بالکل ٹھیک۔" انھوں نے کہا۔

پروفیسر داؤد نے اپنے آلات کے ذریعے یہ معلوم

کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ اس ہال کے نیچے ک
تہ خانہ ہے یا نہیں ۔ انسپکٹر جمشید اور خان رحمان
طور پر کوشش کر رہے تھے ۔ ایک ایک چیز کا جا
لے رہے تھے ۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا :

"ہم نے میز کے نیچے نہیں دیکھا۔"

"تو اب دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ جس وقت میز کے نیچے گھسے ، اس وقت
داؤد ہال کے دوسرے سرے پر موجود کسی چیز
آلہ لگا کر دیکھ رہے تھے ۔ وہ ان کی آوازیں بھی
سن سکے ۔ لہٰذا جب وہ تھوڑی دیر بعد ان کی طر
مڑے تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا :

"ارے ! تم دونوں کہاں ہو بھئی ؟"

انھوں نے حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا ۔ پھر دو
کر ہال کے صدر دروازے پر پہنچے ۔ جس وقت د
اندر آئے تھے ۔ انھوں نے صدر دروازہ اندر سے
کر دیا تھا ۔ دوسرے دروازے اور کھڑکیاں پہلے
بند تھیں ۔ کھڑکیاں یوں بھی جالی دار تھیں ۔

"حیرت ہے ۔ دروازہ تو بند ہے ۔ پھر تم کہاں
انھوں نے ہانک لگائی ۔ ان کی آواز ہال میں گونج اٹھی

ایسے میں انھیں میز کے نیچے کا خیال آیا ۔

"اوہ ! میں بھی کتنا احمق ہوں ۔ بلا وجہ ڈر گیا ۔ تو
تم میز کے نیچے تہ خانے کے امکانات کا جائزہ لے
رہے ہو۔" یہ کہہ کر وہ نیچے بیٹھ گئے اور ایک کرسی ہٹا کر
میز کے ایک سرے سے دوسرے تک نظریں دوڑائیں
اب تو ان کی سٹی گم ہو گئی ۔ انسپکٹر جمشید اور خان رحمان
انھیں کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے ۔

"اُف میرے مالک ۔ یہ سب کیا ہے ۔ جب ابھی
یہ حال ہے ۔ تو میٹنگ کے وقت تو کیا کچھ نہیں ہو گا۔"
انھیں شدید گھبراہٹ محسوس ہوئی اور فوری طور پر
انھوں نے صدر دروازہ کھول دیا ۔ باہر ایک خفیہ فورس
کا آدمی موجود تھا :

"کیوں بھئی ۔ آپ نے انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کو
باہر نکلتے تو نہیں دیکھا۔"

"جی ۔ جی نہیں تو ۔ وہ تو اندر ہی ہیں۔"

"تب پھر آ کر انھیں تلاش کر لیں ۔ مجھے تو کہیں نظر
نہیں آ رہے۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب ؟" اس نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ تھوڑی دیر پہلے ہم تینوں اندر داخل

ہوئے تھے — ہوئے تھے نا؟"

"جی بالکل — اس میں کیا شک ہے۔"

"تو پھر — انھیں اندر ہونا چاہیے۔"

"جی بالکل — ہونا چاہیے۔"

"لیکن وہ اندر نہیں ہیں — اور نہ وہ باہر نکلے
گئے ہیں — سوال یہ ہے کہ وہ کہاں ہیں؟"

"تب وہ میز کے نیچے ہوں گے۔" اس نے مسکرا کر ک

"جی ہاں! میں نے بھی یہی خیال کیا تھا، لیکن
میز کے نیچے بھی نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔

"آپ خود اندر آ کر جائزہ لیں۔"

"مجھے افسوس ہے — میں ایسا نہیں کر سکتا —
اپنے انچارج کو مجھے یہ اطلاع دینا ہو گی — وہ
آئیں گے یا کسی کو بھیجیں گے — لیکن ہمیں حکم ہے کہ
جگہ پر موجود رہیں۔"

"اوہ اچھا — تو پھر آپ انھیں اطلاع کریں نا۔"

خفیہ فورس والے نے اپنے انچارج کو وائرلیس
اطلاع دی — جلد ہی وہ وہاں پہنچ گیا:

"کیا معاملہ ہے پروفیسر صاحب؟"

"انسپکٹر جمشید اور خان رحمان بند ہال سے غائب ہو گئے،
اب ہم کیا کریں؟"

"جی — کیا مطلب — ذرا وضاحت کریں۔"

وہ اسے ہال کے اندر لے آئے اور ساری صورتِ حال
بتائی — وہ سُن کر حیرت زدہ رہ گیا:

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میں بھی تو اسی بات پر حیران ہوں کہ یہ کس طرح
ہو سکتا ہے۔"

"ٹھہریے — پہلے میں میز کے نیچے دیکھ لوں۔"

"میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا۔"

دونوں میز کے نیچے رینگ گئے — انھوں نے میز کے
ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا جائزہ لیا اور
پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے انھیں زمین کھا گئی ہو۔"
پروفیسر داؤد بولے۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"کیا ان حالات میں یہاں میٹنگ درست رہے
گی؟" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"نن — نہیں۔" وہ ہکلایا۔

"میرا خیال ہے — ہم صدر صاحب سے بات کرتے
ہیں — نہ صرف اِنسپکٹر جمشید اور خان رحمان — بلکہ ان
سے بھی پہلے محمود، فاروق اور فرزانہ تک غائب ہیں۔"

"آئیے — انھیں فون کرتے ہیں۔"

وہ باہر آئے، صدر صاحب سے رابطہ قائم کیا گیا۔
انھیں تازہ ترین صورتِ حال بتائی گئی — سنتے ہی بو

"تب آپ لوگ فوراً رضوان حلیمی کو تلاش کریں۔"

"اور آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"پہلے رضوان حلیمی۔" صدر صاحب بولے اور ریسیور رکھ دیا

انھوں نے رضوان کی تلاش میں اِدھر اُدھر فون ک
شروع کیے — آخر وہ ایک دوست کے گھر مل گئے
انھیں فوراً حلیمی ہال آنے کے لیے کہا گیا — جلد ہی
وہاں آگئے:

"کیا اس عمارت کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے؟" پروف
داؤد بولے —

"ہرگز نہیں۔"

"کیا آپ نے یہ عمارت خود بنوائی تھی؟"

"میں نے اپنی نگرانی میں نہیں بنوائی تھی — بنانے
ٹھیکہ دیا تھا۔"

"اس صورت میں اگر کسی ذریعے سے تہ خانہ بنوایا گیا
تھا تو آپ کو تو اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہوگا۔"

"لیکن کوئی میرے علم میں لائے بغیر ایسا کام کیوں
کرانے لگا؟"

"سازش کرنے والوں کی سازشیں بہت گہرائی لیے ہوتی
ہیں — ان کے بارے میں مدتوں پہلے منصوبہ بندی کر
لی جاتی ہے — لہٰذا کوئی عجب نہیں، اگر اس عمارت
کے نیچے تہ خانہ نکل آئے — سوال یہ ہے کہ ہم تہ خانہ
کس طرح تلاش کریں؟"

"یہ کام میں کروں گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اور وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو
گئے — انھوں نے آلات جگہ جگہ رکھنے شروع کر دیے۔
ایک جگہ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — ان کے
آلات بتا رہے تھے کہ اس جگہ تہ خانہ موجود ہے، لیکن
وہاں تہ خانہ ہونے کے قطعاً کوئی آثار نہیں تھے — اس
بات کا ذکر انھوں نے خفیہ فورس کے انچارج سے کیا:

"تب پھر کیا کیا جائے — کس طرح اس راستے کو
تلاش کیا جائے؟"

"سراغ رساں آپ ہیں، میں نہیں — یہ سوچنا آپ

کا کام ہے۔"

ایک بار پھر صدر صاحب کو فون کیا گیا۔ انھیں بتایا
گیا کہ تہ خانے کے امکانات ہیں، لیکن اس کا دروازہ
کس طرح کھلے گا۔ یہ وہ ابھی معلوم نہیں کر سکے۔

"ہمارے پاس پورے چوبیس گھنٹے ہیں۔ میں انسپکٹر
کامران مرزا کو فون کرتا ہوں۔"

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

لیکن آدھ گھنٹے بعد انھیں بتایا گیا کہ ان سے رابطہ
نہیں ہو سکا۔ نہ شوکی برادرز ملے۔

"پھر۔ اب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟"

"میٹنگ تو ہو گی۔"

"ان حالات میں تو خطرہ حد درجے بڑھ گیا ہے۔"

"چاہے کچھ ہو جائے۔ میٹنگ وہیں ہو گی۔ یہ
خبر بھی صبح کے اخبارات میں بے شک آجائے کہ
انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے حلیمی ہال سے غائب ہو گئے۔"

"اس طرح تو اور کھلبلی مچ جائے گی۔"

"کوئی پروا نہیں۔ مچ جائے کھلبلی۔" صدر صاحب بولے۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر آپ اور انسپکٹر جمشید
اس ہال میں ہی کیوں میٹنگ کرنا چاہتے ہیں، جب کہ

باقی سب کی رائے یہ تھی کہ کہیں اور کر لی جائے۔" پروفیسر
داؤد بولے۔

"آپ بھول رہے ہیں پروفیسر صاحب۔ ایک اور صاحب
ہیں اجلال کامی۔ انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ اجلاس
یہیں ہونا چاہیے۔"

"چلیے۔ اتنے لوگوں میں سے کسی ایک اور نے کہہ
دیا ہو گا۔"

"کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ میٹنگ اسی ہال میں ہو گی۔"

اور یہ کہتے ہی انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ میٹنگ
کی تیاریاں جاری رہیں، یہاں تک کہ میٹنگ شروع ہونے
میں صرف چند گھنٹے رہ گئے۔ انسپکٹر جمشید، خان رحمان
اور تینوں بچوں کا کہیں کوئی پتا اب تک نہیں چلا تھا،
خفیہ فورس نے ایک بار پھر صدر صاحب کو خطرے سے
آگاہ کیا۔ پروفیسر داؤد نے بھی ان سے درخواست کی
کہ ان حالات میں میٹنگ کہیں اور کر لینی چاہیے، لیکن
صدر صاحب نہ مانے۔ اور پھر مہمانوں کی آمد کا وقت
ہو گیا۔ سب سے پہلے صدر صاحب وہاں پہنچے۔ پروفیسر
داؤد پہلے ہی وہاں موجود تھے۔

"آپ اور میں مہمانوں کا استقبال کر لیتے ہیں۔" صدر

صاحب مسکرائے۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔ پروفیسر داؤد نے کہا۔

"آپ شاید مجھ سے ناراض ہیں، لیکن آپ کی ناراضی بہت جلد دُور ہو جائے گی"۔

"کیا مطلب — ویسے میں آپ سے ناراض ہرگز نہیں ہوں" انھوں نے کہا۔

"اگر نہیں ہیں تو بھی صورتِ حال بہت جلد سامنے آ جائے گی"۔

"میں نہیں جانتا — آپ کے ذہن میں کیا بات ہے۔ اس لیے میں بہت اُلجھن محسوس کر رہا ہوں"۔

"انسپکٹر جمشید کے غائب ہونے کی وجہ سے میں بھی اُلجھن محسوس کر رہا ہوں، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں"۔

"جگہ بدل دینے میں کیا حرج تھا؟ کم از کم یہی بتا دیں"۔

"ضرور بتاؤں گا، لیکن پہلے ذرا سامنے دیکھ لیں۔ ہمارے پہلے مہمان تشریف لا رہے ہیں"۔

پروفیسر داؤد نے سامنے دیکھا — ایک کار اسی وقت دروازے پر آ کر رکی تھی — آنے والے اجلال کامی تھے:

"کیا آپ نے دعوت کا مقام بدل دیا ہے صاحبِ صدر؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر مقام بدل دیا ہوتا تو پھر میں یہاں کیوں موجود ہوتا، پروفیسر داؤد صاحب میرے ساتھ کیوں کھڑے ہوتے"۔

"تو پھر — مجھے تو یہاں کوئی گاڑی بھی نظر نہیں آ رہی"۔

"وقت اب ہوا ہے آمد کا — ایک گھنٹے تک آمد کا وقت مقرر ہے — اس کے بعد کسی کا انتظار نہیں کیا جائے گا — اور ہم کارروائی شروع کر دیں گے"۔

"بہت خوب! لیکن میرے خیال میں تو نصف سے زیادہ مہمان اس وقت تک آ جانے چاہییں تھے"۔

"ہو سکتا ہے — مہمان ڈر رہے ہوں — کیونکہ اخبارات نے انسپکٹر جمشید وغیرہ کی گم شدگی کی خبر کو خوب زور شور سے شائع کیا ہے — اور وہی اس عمارت کی حفاظت کے ذمے دار تھے"۔

"اور حلیمی صاحب — وہ کہاں ہیں؟"

"وہ اندر مصروف ہیں — مہمانوں کے سلسلے میں کوئی کمی نہ رہ جائے"۔

"تب پھر میں بھی ان کا ہاتھ کیوں نہ بٹاؤں؟"

"ٹھیک ہے"۔

اجلال صاحب اندر کی طرف بڑھ گئے — اب دُور دُور تک میدان صاف تھا — کوئی آتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے — کوئی نہیں آئے گا۔" صدر صاحب نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟" پروفیسر داؤد نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"یہ انسپکٹر جمشید جانے۔" صدر صاحب نے کندھے اچکائے۔

"جی — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ شاید سب کے کہنے پر میں بھی جگہ بدل دیتا، لیکن — انسپکٹر جمشید کسی طرح بھی جگہ بدلنے پر تیار نہیں تھا اور ایوانِ صدر میں یہ بات اس نے اجلاس سے پہلے ہی مجھ سے کہہ دی تھی کہ کچھ بھی ہو جائے — میں جگہ تبدیل نہ کروں — چنانچہ میں جو وہاں اڑا رہا تو اس میں اصلی مرضی انسپکٹر جمشید کی تھی۔"

"اور اب وہ بھی غائب ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اور اس کے بچے بھی۔"

"میرا خیال ہے — اب ہم اندر چل کر موت کا انتظار کرتے ہیں۔" صدر صاحب مسکرائے۔

"مجھے حیرت ہے — ان چھے سو بڑے لوگوں پر — جو سب کے سب موت سے ڈر گئے — کیا وہ موت سے بچ جائیں گے یا موت انھیں کبھی نہیں آئے گی۔" صدر صاحب نے

جلے بھنے انداز میں کہا۔

"شاید اسی طرح انسپکٹر جمشید یہی چیز آپ کو اور پوری قوم کو دکھانا چاہتے تھے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"جی — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ — ہم یہ جان جائیں — کتنے لوگ ہیں — جو اپنے دین، قوم اور مُلک کے لیے ہنسی خوشی جان دینا پسند کرتے ہیں۔"

"ہوں! یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ چھے سو میں سے صرف دو ایسے آدمی نکلے ہیں — اجلال کامی اور رضوان۔" پروفیسر داؤد نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو آپ زیادتی کر رہے ہیں — کیا میں اور آپ ان میں شامل نہیں — کیا انسپکٹر جمشید، خان رحمان، ان کے بچے اور یہ بے چارے خفیہ فورس والے ان میں شامل نہیں؟"

"یقیناً شامل ہیں — ہم لوگ تو پہلے سے اس صف میں شامل ہیں، اس لیے ہم لوگوں کا کیا ذکر۔"

آخر وہ اندر آ گئے — ہال میں اب گنتی کے چند آدمی تھے — باقی سارا ہال بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے — ہمیں کارروائی شروع کر دینی چاہیے۔"

صدر صاحب بولے۔

" کیا مطلب — کیا ہم چند آدمی میٹنگ کریں گے؟" اجلال کامی کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

" ہاں کیوں نہیں — یہ چند آدمی ان چھ سو سے کہیں زیادہ ہیں — جو نہیں آئے۔" صدر صاحب بولے۔

" جیسے آپ کی مرضی — لیکن ہم بھلا — کیا طے کر سکیں گے؟" رضوان حلیمی نے کہا۔

" وہی — جو ہمیں طے کرنا تھا — ان چھ سو کی موجودگی میں تو ان سے صرف منظوری لینا تھی — تاکہ پوری قوم کی نمایندگی ہو جائے — لیکن جب وہ لوگ موت کے ڈر سے آئے ہی نہیں تو نمایندگی کیا کریں گے — یہ لوگ تو آیندہ بھی کسی نمایندگی کے قابل نہیں رہ گئے۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ادھر پھر وہاں باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا — سب سے پہلے قرآنِ کریم کی تلاوت کی گئی — پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صدر صاحب نے ایک نعت پڑھی — اس کے بعد اس میٹنگ کو بلانے کی غرض بھی صدر صاحب نے بیان کی — اور وہ تمام باتیں اتفاقِ رائے سے منظور کر لی گئیں — جو پہلے سے طے کی جا چکی

تھیں اور جن کے بارے میں ان چھ سو کو اعتماد میں لیا جانا تھا — تاکہ پوری قوم اس میں شریک سمجھی جائے۔"

اور اس کارروائی میں پورا ایک گھنٹا لگ گیا — صدر صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا:

" پورا ایک گھنٹا ہو گیا — بم نہیں پھٹا — ہم نے موت کا انتظار بے مثال سکون اور اطمینان سے کیا — اور ساتھ میں اپنا کام بھی مکمل کر لیا — سوال یہ ہے — کیا بم والی بات صرف افواہ تھی — یا دشمن ناکام ہو گئے — خفیہ فورس کی وجہ سے ان کی دال نہیں گلی — یا پھر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی — جہاں بھی ہیں — دھماکا کرنے والوں کے راستے کی دیوار بن گئے ہیں — یہ بات ہمیں کون بتائے گا؟"

" انسپکٹر جمشید۔" پروفیسر داؤد نے پُریقین انداز میں کہا۔

خطرہ

محمود، فاروق اور فرزانہ میز کے نیچے ایک ایک انچ کا جائزہ لے رہے تھے کہ اچانک انھیں یوں لگا جیسے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ ان کے منہ سے چیخ بھی نہ نکل سکی۔ اور پھر ان کے پیر کسی نرم چیز پر لگے۔ انھوں نے خود کو ایک بہت بڑے ہال میں پایا۔ لیکن اس ہال میں وہ جس جگہ گرے تھے۔ ایک بہت موٹا فوم کا گدا بچھا تھا۔ اس گدے کی وجہ سے وہ چوٹ لگنے سے محفوظ رہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ ہال پوری طرح روشن تھا، لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اب انھوں نے اُوپر نظریں اٹھائیں۔ چھت انھیں بہت زیادہ اونچائی پر نظر آئی اور اب وہاں کوئی خلا بھی نہیں تھا۔ گویا حلیمی ہال کے فرش کا کوئی چوکور ٹکڑا صندوق کے

کسی ڈھکنے کی طرح گرا تھا اور پھر اپنی جگہ پر چلا گیا تھا۔ اس قسم کے تہ خانوں سے ان کا زندگی میں پہلی بار واسطہ نہیں پڑا تھا، یہ تو ان کا معمول تھا، لہٰذا انھوں نے کوئی پروا نہ کی۔ محمود نے بلند آواز میں کہا:

"بہت بہت شکریہ! آپ نے کم از کم ہمیں یہ تو بتا دیا کہ اس عمارت کے نیچے واقعی تہ خانہ موجود ہے۔"

"کس سے باتیں کر رہے ہو۔ تہ خانے کی دیواروں سے۔ پاگل تو نہیں ہو گئے۔" فارُوق نے جھلّا کر کہا۔

"ہاں! میری باتیں وُہ ضرور سُن رہا ہے۔ جس نے ہمیں اوپر سے نیچے گرایا ہے۔"

"بہت خوب! تو پھر میری طرف سے اس سے یہ بھی کہہ دو۔ کہ ہمیں بہت بھوک لگی ہے۔ فوری طور پر ہمارے لیے کھانے کا انتظام کیا جائے۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"یار چپ رہو۔ تم بھول رہے ہو۔"

"سوال یہ ہے کہ میں کیا بھول رہا ہوں؟"

"یہ کہ تم تم پروفیسر انکل نہیں ہو۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لیکن اب ہم عمارت کو بم کے دھماکے سے کس ط
بچا سکیں گے؟" فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بچانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ہماری نہیں"
فرزانہ نے اسے گھورا۔

"مم۔ مجھے افسوس ہے۔"

"ہونا بھی چاہیے۔ تم ہو بھی اس قابل۔" محمود نے ج
کر کہا۔

"کک۔ کس قابل۔ وضاحت کرو بھائی۔"

"افسوس کرنے کے قابل۔" محمود نے فوراً کہا۔

فرزانہ کی ہنسی نکل گئی۔

"اس تہ خانے میں ہنس رہی ہو۔ جب کہ ہمار
سروں کے اوپر بم پھٹنے والا ہے۔" فاروق نے تیز نظرو
سے گھورا۔

"ہنسوں نہ تو کیا روؤں۔" فرزانہ بولی۔

"ویسے بے چارہ بم اب پھٹ کر کیا کرے گا۔"
محمود مسکرایا۔

"کیوں۔ اب کیا ہو گیا؟"

"اب۔ اب وہ سوچے گا۔ یہ لوگ تو نیچے آ
گئے ہیں۔ اب میں پھٹ کر کیا کروں گا۔ شرم

نہیں آئے گی مجھے پھٹتے ہوئے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ تہ خانے میں گرنے کی وجہ سے
تمھارے دماغ پر بُرا اثر ہوا ہے۔ شاید تم سوچ رہے
ہو کہ اب ہم یہاں سے نکل تو سکیں گے نہیں، لہٰذا
پاگل کیوں نہ ہوا جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ تم ایک
اور بات بھول رہے ہو۔"

"تو تم وہ بھی یاد کرا دو بڑے بھائی۔"

"تم بھول رہے ہو۔ اس تہ خانے کا دروازہ بھی
ضرور ہے۔ ورنہ آنے کے لیے تو یہ راستا ضرور اختیار
کیا جا سکتا ہے۔ جس سے کہ ہم نیچے آئے ہیں۔
جانے کے لیے یہ راستا ہرگز ہرگز کام میں نہیں لایا
جا سکتا۔ اور جن لوگوں نے یہ تہ خانہ بنوایا ہے،
انھوں نے اس سے باہر نکلنے کا راستا بھی ضرور رکھا
ہو گا۔ مطلب یہ کہ باتوں میں وقت ضائع کرنے
کی بجائے، کیوں نہ ہم کام کریں۔ بے شک کام کرنے
کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتے رہیں۔" محمود نے جلدی
جلدی کہا۔

"میں تم سے پوری طرح اتفاق کرتی ہوں محمود۔" فرزانہ
نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

اور پھر وُہ کام میں جٹ گئے ، لیکن ایک گ
کی سر توڑ کوشش کے باوجود انھیں تہ خانے سے نک
کا کوئی راستا نہ ملا ۔

" حیرت ہے — راستا تو اس طرح غائب ہے
جیسے گدھے کے سر سے سینگ ۔"

" گدھے کے سر پر تو پھر بھی سینگ نظر آ
ہیں ، لیکن شاید تہ خانے کا دروازہ نظر نہ آئے ۔" فا
نے منہ بنایا ۔

" مایوسی گناہ ہے — ہم مرتے دم تک کوشش جا
رکھیں گے — اور پھر ایک بات ہمارے لیے اور ہ
ابّا جان اُوپر آتے ہی پہلے ہم سے بات کرنا چا
گے — اور ظاہر ہے — ہماری تلاش میں وُہ ہال
آئیں گے — پھر وُہ اس بجوکور ٹکڑے کا سُراغ لگا
گے اور ہمیں یہاں سے ضرور نکال لیں گے ۔"

" لیکن — ذرا سوچو — اُس وقت میٹنگ شروع ہونے
ہو چکا ہو گا — وُہ میٹنگ کا انتظام کریں گے یا ہم
تلاش کر لیں گے — ادھر بم پھٹنے کا وقت ہونے والا ہ
" یا اللہ رحم — یہ ہم کس مشکل میں پھنس گئے ۔" فرز
نے درد بھرے انداز میں کہا ۔

" مشکل میں نہیں — تہ خانے میں — تمھیں مشکل اور
تہ خانے میں فرق بھی معلوم نہیں ۔" فاروق نے تلملا کر کہا ۔

" حد ہو گئی — ان حضرت کو ایسے میں بھی مذاق
کی سوجھی ہے ۔"

" مذاق کی — اور مجھے — پاگل ہو گئے ہو کیا — میں
موت کی حد تک سنجیدہ ہوں — مجھے یہ تہ خانہ نہیں
لگ رہا ہے — اپنا مقبرہ لگ رہا ہے ۔"

" موت سے گھبرا رہے ہو — جو ایک دن آ کر
رہے گی ۔"

" نہیں ! میرے لیے گھبراہٹ کے قابل بات یہ ہے
کہ ہم اس عمارت کو بم کے دھماکے سے بچانے کے
لیے کچھ نہیں کر سکے ۔"

" فکر کی ضرورت نہیں — آخر ابّا جان اُوپر ہیں — اور
میرا خیال ہے — اس وقت تک وُہ عمارت میں آ چکے
ہوں گے — بلکہ اب تو انھوں نے ہماری تلاش شروع
کر دی ہو گی ۔" محمود نے کہا ۔

" بلکہ — اب تو وُہ ہال میں پہنچ چکے ہوں گے —
خفیہ فورس والوں نے اور عمارت کے عملے نے انھیں بتا
دیا ہو گا کہ ہم تہ خانے میں داخل ہوئے تھے — ہ

ہمیں نکلتے نہیں دیکھا گیا۔"

"بالکل ٹھیک — گویا اب چند منٹ کی بات ہے
ابا جان ہمیں اوپر کھینچ لینے والے ہیں — اور اس کے ب
ہم مل کر بم کو تلاش کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے — اس ہال میں میٹنگ کینسل کر دی گ
ہو۔" فاروق بولا۔

"کم از کم ابا جان کے ہوتے ہوئے تو میٹنگ کین
نہیں کی جا سکتی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"لیکن جہاں چھ سو آدمیوں کی زندگیوں کا سوال
وہاں انھیں بھی دوسروں کی بات ماننا پڑی ہو گی۔"

"شش — شاید — اور مجھے محسوس ہو رہا ہے — ج۔ ج
ابا جان اب میز کے نیچے ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔"

"تب پھر دعا کرو — ان کے پاؤں اس چوکور ٹکڑ
پر نہ پڑنے پائیں۔"

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

عین اس وقت چوکور ٹکڑا نیچے لٹکتا نظر آیا — او
کوئی دھم سے گدے پر گرا — ٹکڑا فوراً برابر ہو گیا۔

"ہائیں — محمود، فاروق اور فرزانہ تم بھی یہاں ہو۔"
خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! ہم آپ کے استقبال کے لیے پہلے ہی
یہاں آ گئے تھے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے آپ کی نیچے آمد مبارک ہو۔" محمود بولا۔

"اوپر کی کیا خبریں ہیں؟" فرزانہ نے کہا۔

"بھئی سانس تو لینے دو۔"

"اوہ — تو آپ اوپر سے نیچے آنے کی وجہ سے تھک
گئے ہیں۔" فاروق چونکا۔

"نہیں بھئی — میرا مطلب ہے — اس تہ خانے پر
ایک نظر تو ڈال لینے دو۔"

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے — ویسے آپ شوق
سے دو نظریں ڈال لیں — اس لیے کہ ہم تو نہ جانے
کتنی نظریں اس پر ڈال چکے ہیں، لیکن یہ ٹس سے
مس نہیں ہوا — بہت ڈھیٹ واقع ہوا ہے۔" فاروق
نے جلدی جلدی کہا۔

"کس کی بات کر رہے ہو بھئی؟" خان رحمان نے پروفیسر
داؤد کی طرح کہا۔

"جی — تہ خانے کی۔"

"چھوڑو یار ۔ تہ خانے کی کیا بات کرنا۔" خان رحمان نے
منہ بنایا۔

"یہ یہ آپ کیا بات کر رہے ہیں ۔ یعنی کہ ۔ ان حالات
میں ہم تہ خانے کی بات نہ کریں ۔ جب کہ ہمیں تو
یہاں صرف اور صرف تہ خانہ ہی نظر آ رہا ہے۔" فاروق
نے ان کے عالم میں کہا۔

"خاموش ! مجھے کچھ سوچنے دو۔" انسپکٹر جمشید نے تیز آواز
میں کہا اور یک لخت گہری سوچ میں گم ہو گئے ۔ سب
ان کی طرف ٹکر ٹکر دیکھنے لگے ۔

"ابا جان ۔ سوچنے میں اتنا وقت نہ لگا دیجیے گا
کہ کہیں بم پھٹنے کا وقت بھی گزر جائے۔"

"ارے باپ رے ۔ کیا بات یاد کرا دی۔" خان
رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"میٹنگ شروع ہونے میں ایک گھنٹا باقی ہے ۔ اس
وقت تک مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی ہو گی۔" انسپکٹر
جمشید بڑبڑائے۔

"کیا آپ کے خیال میں ۔ مہمان آئیں گے ۔ اخبارات
کی بڑی بڑی خبروں کے باوجود ۔ کہ اس ہال میں
بم کا دھماکا لازمی ہو گا۔"

"جو وطن کے وفادار ہیں ۔ وہ تو ضرور آئیں گے۔
اور پچ تو یہ ہے کہ میں اڈا بھی یہی دیکھنے کے لیے
رہا ہوں۔"

"جی ۔ کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ ۔ میں دیکھنا چاہتا تھا ۔ اس قدر
یقینی خطرے کے باوجود ۔ کون کون آتا ہے ۔ بم کے
بارے میں تو مجھے یقین تھا ۔ کہ اوّل تو ہم عمارت
تک اس کو پہنچنے ہی نہیں دیں گے اور اگر کسی طرح
پہنچ بھی گیا تو اس کو پھٹنے نہیں دیں گے ۔ لہٰذا ان
لوگوں کی ضرور آزمائش ہو جائے گی ۔ لیکن مجھے کیا
پتا تھا ۔ میں تم لوگوں کے ساتھ نیچے پھنس جاؤں گا ۔
اب میں کہتا ہوں ۔ کاش میں نے جگہ تبدیل کرنے والی
بات مان لی ہوتی۔"

"اب افسوس کرنے سے کیا حاصل جمشید ۔ آخر ہم ہمت
کیوں ہاریں ۔ اس تہ خانے سے جلد از جلد نکلنے کی کوشش
کیوں نہ کریں۔"

"بالکل ٹھیک۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر انھوں نے پُر جوش انداز میں تہ خانے کے
دروازے کی تلاش شروع کر دی ۔ باقی چاروں بھی ان

کا ساتھ دے رہے تھے ۔ اگرچہ محمود ، فاروق اور
پہلے تلاش کرتے رہے تھے اور انھیں کامیابی کی
صورت نظر نہیں آئی تھی ۔ لیکن اس کے باوجود
ان کے ساتھ کوشش میں لگے تھے ۔

آدھ گھنٹے تک وہ حد درجے سنجیدگی سے تہ خا
کا دروازہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے ۔
کامیاب نہ ہو سکے ۔ پھر انھوں نے گھڑی پر
ڈالی اور بے چین ہو گئے :

" مہمانوں کی آمد میں صرف آدھ گھنٹا رہ گیا
آدھ گھنٹے بعد میٹنگ شروع ہو جائے گی اور غا
دو گھنٹے تک باقی رہے گی ۔ گویا اس دوران کسی و
بھی بم پھٹ سکتا ہے ۔ مطلب یہ کہ ہمارے پا
صرف اور صرف آدھ گھنٹا باقی ہے ۔"

" اوہ !" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ۔

" جب کہ ابھی تک ہمیں کامیابی کی کوئی امید نظر
نہیں آئی ۔" فرزانہ بولی ۔

" امید ویسے بھی نظر آنے والی چیز نہیں ہے ۔" فاروق
نے مسکرا کر کہا ۔

" اس ہال میں صرف دیواریں ہیں ۔ یا فرش ہے ۔

اوپر چھت ہے ۔ اور کچھ بھی نہیں ہے ۔ ان حالات میں
ہم سراغ لگائیں تو کیسے ؟"

" فرزانہ کی عقل کے ذریعے ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

" جی کیا مطلب ؟"

" اپنے ترکیبوں بھرے دماغ پر زور دو ۔ محمود ، فاروق
بلکہ تم فرش کو انگلیوں سے بجاتے چلے جاؤ ، اگر کسی جگہ آواز
کھوکھلی محسوس ہو تو فوراً وہاں رک جانا ۔"

" جی بہتر !"

فرزانہ سوچ میں گم ہو گئی ۔ محمود اور فاروق کا ساتھ
خان رحمان دینے لگے ۔ انسپکٹر جمشید ایک طرف کھڑے انھیں
دیکھنے لگے ۔

ایسے میں تہ خانے میں سرگوشی نما ایک آواز گونجی ۔

مستری

"انسپکٹر جمشید مبارک ہو۔"

انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا — مُبارک باد دینے وا
کوئی شخص نظر نہ آیا — اگرچہ انھیں محسوس یہی ہو
تھا جیسے کوئی ان کے بالکل نزدیک سے بولا ہو۔

"شکریہ! لیکن کس بات کی مبارک باد؟"

"تم لوگ اس تہ خانے میں ہو — تم تو اس عمار
کو بم سے بچانے چلے تھے۔"

"تو ابھی کون سا بم پھٹ گیا ہے کہ تم مُبارک با
دے رہے ہو۔" خان رحمان نے جل بُھن کر کہا۔

"اس کے پھٹنے میں اب کیا دیر رہ گئی ہے۔"
ہنس کر کہا گیا۔

"کہنا کیا چاہتے ہو — یہ بات کرو۔"

"یہ تہ خانہ تمھارا مقبرہ بنے گا — بم اس عمارت

اوپر اثر کرے گا — تہ خانے پر اثر انداز نہیں ہو
گا — لہٰذا تم یہیں رہ جاؤ گے۔" طنزیہ انداز میں
کہا گیا۔

"اگر اللہ کی مرضی یہی ہے — تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"حیرت اس بات پر ہے کہ تم کِس قدر آسانی سے
میرے قابُو میں آ گئے۔"

"دراصل ہم چاہتے تھے — جلد از جلد تم تک پہنچ
جائیں — تاکہ دھماکا نہ ہو سکے۔"

"پھر — کیا تم جلد از جلد مجھ تک پہنچ گئے؟" پھر طنزیہ
انداز میں کہا گیا۔

"یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا — کہ تم یہیں کہیں آس
پاس ہی موجود ہو یا پھر کہیں اور — لیکن میرا اندازہ
یہ کہتا ہے کہ آس پاس ہی کہیں موجود ہو — اور ہم
بہت جلد تم تک پہنچنے والے ہیں۔"

"ہاہاہا۔" آواز نے زوردار قہقہہ لگایا — پھر قہقہے کو
روک کر کہا:

"مجھ تک تو تم مرتے دم تک نہیں پہنچ سکو گے —
ہاں، مرنے کے بعد پہنچے تو کوئی حرج نہیں۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"بم پھٹنے میں صرف پندرہ منٹ باقی ہیں — میں چاہتا ہوں — یہ پندرہ منٹ میں تم سے باتوں میں گزاروں۔"

"لیکن — پندرہ منٹ سے پہلے اگر ہم یہاں سے نکل بھی گئے تو بم کون سا تلاش کر لیں گے — ویسے کیا اوپر ہال میں سب لوگ آ گئے ہیں؟"

"تمھارا کیا خیال ہے؟" کہا گیا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے — بہت ہی کم لوگ آئے ہوں گے۔" انھوں نے کہا۔

"تب پھر تم نے جگہ تبدیل کرنے کی بات کیوں نہ مانی — کیا تم چاہتے تھے کہ اتنے بہت سے لوگ مر جائیں؟"

"نہیں — میں یہ کس طرح چاہ سکتا تھا۔"

"لیکن اس بات پر بضد رہنا کہ میٹنگ یہیں ہو گی، یہ پھر کس وجہ سے تھا؟"

"میں اپنی باتیں دشمنوں کو نہیں بتایا کرتا۔"

"کوئی پروا نہیں — مجھے اندازہ ہو جائے گا۔"

"اوپر کتنے آدمی آئے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا —

"تمھارا اندازہ درست ہے، لیکن اس حد تک درست نہیں۔" کہا گیا۔

"کیا مطلب — کیا کافی لوگ آ گئے ہیں؟"

"نہیں — تمھارا اندازہ تھا، بہت کم لوگ آئیں گے — لیکن لوگ تمھاری امیدوں سے بھی بہت زیادہ کم آئے ہیں۔"

"نن — نہیں۔"

"ہاں! صرف ایک آدمی آیا ہے — صدر کے علاوہ اور پروفیسر داؤد کے علاوہ — صرف اور صرف ایک آدمی آیا ہے — اور ایک ہے اس عمارت کا مالک — حلیمی — بس۔"

"نن — نہیں۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"کیوں! اس میں چلانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" حیران ہو کر پوچھا گیا۔

"تم — میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا — میرے ملک کے اتنے بڑے بڑے لوگ اتنے بزدل نکلیں گے — وہ موت سے ڈر جائیں گے — میرا یہ خیال تو تھا کہ سب لوگ نہیں آئیں گے — بہت سے لوگ نہیں آئیں گے — لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ بالکل نہیں آئیں گے، اور یہ وہ لوگ ہیں — جو ملک کے فیصلے کرتے ہیں — جنھیں ملک کے تمام اہم معاملات میں شریک رکھا جاتا

ہے — لیکن یہ لوگ بھلا مُلک کے وفادار کس طرح ہو سکتے
ہیں — جو مُلک کے لیے جان کی بازی نہیں لگا سکتے —
وہ کیا کریں گے مُلک کے لیے — چلو اچھا ہوا — یہ بات
تو معلوم ہوئی — اب ہم ایک اور میٹنگ بلائیں گے — اور
وہ میٹنگ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی ہو گی اور ...“ انسپکٹر
جمشید رک گئے —

”اور کیا؟“ پوچھا گیا۔

”میں اپنی باتیں دشمنوں کو نہیں بتایا کرتا۔“

”انسپکٹر جمشید — وقت گزرتا جا رہا ہے — اب تو
صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں دھماکا ہونے میں — تم کیا
کر سکو گے بھلا — کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟“

”دُنیا کا نظام ہم لوگ نہیں، اللہ تعالیٰ چلا رہے
ہیں — جب اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر پتا بھی نہیں ہل
سکتا تو ہم ہیں کون۔“

”ہوں۔ تم نے بہت بڑے بڑے معرکے مارے،
لیکن یہاں آ کر تم بالکل ٹُس ہو گئے — اچھا، میں جا
رہا ہوں — باقی ماندہ کام بھی کرنا ہے۔“

”جاؤ — اور جو تم سے ہو سکے، کر گزرو — ہم اپنا
معاملہ اللہ پر چھوڑتے ہیں۔“

آواز آنا بند ہو گئی — ان کی نظریں گھڑیوں پر ٹِک
گئیں — اور پھر پانچ منٹ بھی گزر گئے — انھوں نے کسی
دھماکے کی آواز نہ سنی —

”ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے — راستے کی تلاش
جاری رکھنی چاہیے۔“

وہ تہ خانے کے ایک ایک انچ کا جائزہ لیتے چلے
گئے — آخر فرش میں ایک نیلے رنگ کا چوکور ٹکڑا نظر
آیا — محمود کے چاقو کی مدد سے جو ایک طرف سے
اس کو اٹھایا گیا تو یوں لگا جیسے اس کے نیچے کوئی
سپرنگ ہو اور پھر اندر انھیں ایک بٹن نظر آیا — بٹن
کو دبانے کی دیر تھی کہ دیوار میں ایک دروازہ نمودار
ہو گیا — اور سیڑھیاں نظر آنے لگیں، جو اوپر کی طرف
جا رہی تھیں:

”آؤ بھئی۔“ انھوں نے اشارے میں کہا — دروازہ کھلنے
کی ذرا سی بھی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی — لہٰذا اُنھوں
نے بھی منہ سے کوئی آواز نہ نکالی —

سیڑھیاں انھیں اس عمارت کے پچھلی طرف چار دیواری
سے باہر لے گئیں — یہاں سوراخ پر جھاڑیاں ہی
جھاڑیاں تھیں — لیکن جونہی انھوں نے ان جھاڑیوں کو

ہٹانے کے لیے زور لگانا چاہا — وہ ہلکا سا ہاتھ لگتے ہی ہٹ گئیں — اور عین اس وقت انھوں نے سرد آواز سنی:

"خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو — ورنہ گولی مار دوں گا۔"

وہ مسکرا دیے — اور بولے:

"یہ ہم ہیں بھئی۔"

انسپکٹر جمشید کی آواز سنتے ہی کوئی لپک کر ان کے نزدیک آیا — وہ سادہ لباس والا تھا —

"اوہ — آپ مل گئے سر — کس قدر خوشی ہو رہی ہے آپ لوگوں کو دیکھ کر۔"

"خدا کا شکر ہے — ہم اوپر آ گئے — ورنہ اس عمارت کا تہ خانہ تو ہمارا مقبرہ بن جاتا۔"

"اُف مالک! تہ خانے کا راستا تلاش کرنے کی کس قدر کوشش کی گئی — لیکن نہیں مل سکا — اگرچہ پروفیسر صاحب کے آلات نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ نیچے تہ خانہ ہے۔"

"نیچے سے تہ خانے کا دروازہ سیل کر دیا گیا تھا — ملتا کیسے — اِدھر کے حالات کیا ہیں — کوئی بم تو نہیں پھٹا؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی نہیں — اور بم شاید اس لیے نہیں پھٹا کہ میٹنگ

میں شرکت کے لیے آنے والے چھ سو آدمی آئے ہی نہیں — صرف ایک دو کے علاوہ۔"

"واہ — کس قدر محبِ وطن لوگ ہیں۔" انھوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اور پھر وہ عمارت میں داخل ہوئے — صدر اور پروفیسر کے چہرے تو کھل ہی اُٹھے — وہ ابھی یہیں ہی تھے اور ان کے ملنے تک جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے:

"آخر یہ سب کیا ہے جمشید؟" صدر صاحب بولے۔

"جب مجرم نے دیکھا کہ یہاں تو کوئی آیا ہی نہیں — تو اس نے اپنا بم ضائع کرنا مناسب خیال نہ کیا — لہٰذا پروگرام تبدیل کر دیا — اب آپ اخبارات کو بیان دے دیں — اور اعلان کر دیں — اب میٹنگ کل ہو گی — لیکن یہاں نہیں ہو گی — کل ہی کسی وقت اچانک بتایا جائے گا — اور وہاں بھی حفاظت کے تمام تر انتظامات کیے جائیں گے — ان شاء اللہ کوئی دھماکا نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے جمشید — ایسا ہی ہو گا۔" صدر صاحب بولے۔

"اس دوران ہم ذرا مجرم کا سراغ لگانے کی کوشش کر دیکھتے ہیں۔"

"اوہ اچھا!" صدر صاحب بولے۔

پھر وہ تو چلے گئے — انسپکٹر جمشید رضوان حلیمی کی طرف
متوجہ ہوئے:

"یہ عمارت آپ نے خود بنوائی تھی — یہی بات ہے نا؟"

"ہاں بالکل۔" انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو اس کے نیچے
تہ خانے کا علم نہ ہو؟"

"اس طرح کہ — میں نے عمارت کا نقشہ بنوا کر
بلڈنگز بنانے والے ایک ادارے کو ٹھیکہ دے دیا تھا۔
ہر وقت تو میں ان کے سروں پر موجود نہیں رہا — نہ
ایک ایک انچ بنوانے کے دوران میں ان کے ساتھ رہ سکتا تھا،
لہٰذا میں بالکل نہیں جانتا کہ تہ خانہ کب بنا اور کیسے بنا۔"

"شکریہ! آپ اس ادارے کا نام تو بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں بالکل — ادارے کا نام ہے — سومی اینڈ سنز۔
عمارات بنانے والے — جیل روڈ پر ان کا دفتر ہے۔"

"آؤ بھئی چلیں۔"

اب وہ سومی اینڈ سنز کے دفتر پہنچے — وہاں مینجر سے
ملاقات ہوئی —

"حلیمی ہال آپ کے ادارے نے بنایا تھا؟"

"جی ہاں! کیا اس میں کوئی شکایت ہے؟"

"ہاں بہت بڑی۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنا کارڈ اس
کے سامنے رکھ دیا۔

"اوہو! آپ ہیں — فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"حلیمی ہال آپ کے ادارے نے بنایا — حلیمی ہال کے
مالک کا کہنا ہے کہ اس نے عمارت کے نیچے کوئی تہ خانہ
نہیں بنوایا تھا، لیکن عمارت کے نیچے ایک تہ خانہ موجود
ہے — اس بارے میں جواب آپ کو دینا ہے۔"

"مجھے فائل نکلوانا ہو گی — پھر میں جواب دے سکوں گا
اور اس میں وقت لگے گا۔"

"کتنا وقت لگے گا؟" وہ بولے۔

"ایک گھنٹا تو ضرور لگ جائے گا۔"

"ہم ایک گھنٹے تک یہیں انتظار کر رہے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

ایک گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی — فائل اس کے
ہاتھ میں تھی —

"رضوان حلیمی صاحب نے تہ خانہ بنانے کا حکم نہیں
دیا تھا اور نہ ہم نے تہ خانہ بنایا — اگر اس عمارت کے
نیچے تہ خانہ ہے تو وہ بعد میں بنوایا گیا ہو گا — ہم
پر اس کی ذمے داری ہرگز عاید نہیں ہوتی۔"

"بعد میں؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں بعد میں۔" وہ بولا۔

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہ رہے ہوں، اب کیا کریں۔ پھر انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا:

"میں اس عمارت کو بنانے والے ہیڈ مستری سے م[illegible] چاہتا ہوں۔"

"وہ تو ملازمت چھوڑ کر بھی جا چکا ہے۔"

"اچھا۔ اس کے گھر کا پتا تو آپ بتا ہی سکتے ہیں"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔" یہ کہ کر اس نے گھنٹی بجائی۔ ا[illegible] ملازم اندر داخل ہوا تو اس سے بولا:

"ہیڈ کلرک سے مستری جانو کے گھر کا پتا لکھوا کر لے آ[illegible]"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

اور پھر پتا انھیں مل گیا۔ وہ مینجر سے رخصت [illegible] کر وہاں پہنچے۔ مستری جانو ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا:

"حلیمی ہال آپ نے تعمیر کیا تھا؟"

"جی ہاں۔ کیوں۔ کوئی گڑ بڑ ہے کیا؟" وہ گھبرا گی[illegible]

"ہے بھی اور نہیں بھی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"آپ نے اس کے نیچے ایک خوب صورت تہ خانہ بنایا تھا، اگر ہم بھی اس قسم کا تہ خانہ بنوانا چاہیں تو؟" انسپکٹر جمشید سرسری انداز میں بولے۔

"میں نے بنایا تھا۔ تہ خانہ۔ نہیں تو جناب۔ آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس عمارت کے نیچے کوئی تہ خانہ نہیں بنایا گیا تھا۔"

"کیوں مذاق کرتے ہیں بھائی۔ وہاں ایک تہ خانہ موجود ہے۔"

"یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ وہ اس کے چہرے کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔

"ہاں! آئیے۔ آپ کو دکھاتے ہیں۔"

"لیکن! میں جا کر کیا کروں گا؟"

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"اگر یہ ضروری ہے۔ تو چلیے۔ لیکن میرا اس تہ خانے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"آپ چل کر اس کو دیکھ تو لیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ چلیے۔"

وہ اسے ساتھ لے کر حلیمی ہال پہنچے۔ انسپکٹر جمشید

نے الگ ہٹ کر چند سادہ لباس والوں سے کہا:

"حلیمی ہال کی میز کو ہٹا دو۔"

"او کے سر۔" وہ بولے اور چلے گئے۔

پندرہ منٹ بعد وہ مستری کو ساتھ لیے اس ہال میں داخل ہوئے:

"یہی وہ ہال ہے۔ جو آپ نے بنایا تھا؟"

"جی ہاں بالکل۔"

"اور آپ کا کہنا ہے کہ اس کے نیچے کوئی تہ خانہ ہرگز نہیں بنایا گیا۔"

"جی ہاں۔ بالکل نہیں۔"

"آئیے۔ ذرا اس ہال کی سیر کر لیں۔"

"جی۔ ہال کی سیر؟"

"ہاں! کافی لمبا چوڑا ہے۔ اس میں گھومنے پھرنے کو سیر کہ سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" اس نے منہ بنایا۔

اب وہ اسے ساتھ لے کر چلے۔ اور اس طرح چلے کہ وہ اس چوکور ٹکڑے پر سے گزرے، جس پر قدم رکھتے ہی وہ نیچے جا گرے تھے۔ اوپر آنے کے بعد انھوں نے اسے پھر سے چالو کر دیا تھا اور اب چوکور

خانے پر پاؤں رکھنے والا نیچے جا سکتا تھا۔

جونہی وہ نزدیک پہنچے۔ مستری نے اِدھر اُدھر ہونے کی کوشش کی، لیکن انسپکٹر جمشید اور خان رحمان اسے درمیان میں رکھ کر چل رہے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر نہ ہو سکا۔ اب اسے رک جانا پڑا۔

اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔

سامنے کی ترکیب

"خیر تو ہے — آپ رک کیوں گئے — آگے آپ کو شیر تو نظر نہیں آ گیا۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"سچ سننا۔" محمود نے کہا۔

"تہ خانہ میں نے ہی بنایا تھا۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات — تو ادارے کے مینجر نے بھی جھوٹ بولا تھا۔"

"نہیں! انھیں کچھ معلوم نہیں — یہ میں نے خفیہ طور پر تعمیر کروا دیا تھا۔"

"لیکن کیوں! آپ کو ایسا کرنے کے لیے کس نے کہا تھا — رضوان حلیمی نے؟"

"نہیں — کسی نا معلوم آدمی نے — وہ اس عمارت کے نیچے ایک بڑا تہ خانہ بنوانا چاہتا تھا — اس کام کے لیے

اس نے مجھے بہت بڑی رقم پیش کی — اور میں نے اس رقم کے بدلے میں یہ کام کر دیا۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔" خان رحمان ہنسے۔

"جی — اس میں مذاق کی کیا بات؟"

"اس طرح بھی بھلا کوئی کسی کی عمارت میں تہ خانہ بنواتا ہے؟"

"لیکن مجھے ایک بڑی رقم دی گئی تھی — اور میں نے بنا دیا۔"

"اور یہ بھی نہ سوچا کہ وہ شخص اس تہ خانے کو کسی غیر قانونی مقصد کے لیے کام میں لا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"ہاں! یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔"

"تب پھر اب آپ کو جیل جانا ہو گا۔"

"ن ن — نہیں۔"

"کسی کی عمارت میں کسی نا معلوم آدمی کے کہنے پر اور ایک بڑی رقم لے کر تہ خانہ بنا دینا غیر قانونی کام بنتا ہے — اور یہ بات اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ آج اس تہ خانے کے ذریعے ہمارے ملک کے چھے سو مشہور و معروف انسانوں کو ہلاک کرنے کی کوشش

کی گئی۔"

"نن — نہیں۔"

"ہمیں اس تہ خانے میں قید کیا گیا۔"

"نہیں۔" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"لہٰذا آپ کو جیل تو جانا ہو گا۔"

اس کا رنگ سفید پڑ گیا — انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون کیا، پھر اس کی طرف مڑے:

"تو وہ نامعلوم آدمی سامنے نہیں آیا تھا؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"رقم اس نے کس طرح ادا کی تھی؟"

"گھر کے دروازے پر ایک لفافہ پڑا ملا تھا — فوراً بعد ہی اس نے فون کیا تھا اور پوچھا تھا، رقم مل گئی ہے یا نہیں — میں نے اسے بتا دیا کہ رقم مل گئی ہے اور تہ خانہ بن جائے گا۔"

"اور مزدوروں سے یہ معاملہ کس طرح طے کیا؟"

"میں نے انھیں بھی اپنا راز دار بنایا اور اس رقم میں سے انھیں بھی حصّہ دیا۔"

"ہوں! رقم کتنی تھی؟"

"دس لاکھ روپے۔" اس نے کہا۔

"ہوں! کافی بڑی رقم کی پیش کش کی گئی تھی — خیر — یہ کتنا عرصہ پہلے کی بات ہے بھلا — کب بنی تھی یہ عمارت؟"

"آج سے دس سال پہلے۔" اس نے کہا۔

وہ فائل دیکھ چکے تھے — عمارت دس سال پہلے ہی بنوائی گئی تھی۔

"ویسے آپ اس سزا سے بچ بھی سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اور وہ کیسے؟" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اگر آپ یہ بتا دیں کہ وہ کون تھا — جس نے آپ کو رقم دی تھی۔"

"اوہ! لیکن میں یہ بات کس طرح بتا سکتا ہوں — جب کہ میں جانتا ہی نہیں۔"

"اگر بتا سکتے ہو تو جیل جانے سے بچ سکتے ہو — ورنہ نہیں۔"

"کاش میں بتا سکتا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

اور پھر اکرام وہاں پہنچ گیا — ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

"تمہارے گھر میں اور کون رہتا ہے؟"

"میری بیوی ہیں، بچے ہیں۔"

"تم نے سوچا — جب تم جیل میں ہو گے تو ان پر کیا بیتے گی۔"

"مم — میں تو کہیں کا نہیں رہا۔"

"غلط کام کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا — اپنے گھر والوں سے مل سکتے ہو — انھیں چیک وغیرہ لکھ کر دے دو، تاکہ تمھاری عدم موجودگی میں وہ رقم ان کے کام آ سکے — اور ہاں، میں کوشش کروں گا کہ تمھیں کم سے کم سزا ہو۔"

"جمشید — مجھے تو اس پر ترس آ رہا ہے — میرا خیال ہے — تم اس معاملے کو گول ہی کر جاؤ۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ ذرا غور فرمائیں — اس کا جرم کس قدر سنگین ہے۔"

"انسان لالچ میں آ جاتا ہے بھئی — چھوڑو۔"

"اچھی بات ہے — لیکن اس صورت میں اسے دس لاکھ میں سے باقی بچ جانے والی رقم کسی فلاحی ادارے کو دینا پڑے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"چیک بک مجھے دے دو — ایک چیک پر دستخط کر دو — میں کُل رقم نکلوا کر کسی فلاحی ادارے کو دے کر رسید حاصل کروں گا اور تمھیں دے دوں گا۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں — مجھے آپ پر اعتماد ہے۔"

"اعتماد ہو یا نہ ہو — میں رسید ضرور دوں گا — یہ میرا اصول ہے۔" وہ بولے۔

اس نے کچھ نہ کہا — انھوں نے اس کے گھر سے چیک بک لی اور واپس چلے آئے —

"اب ہمیں اس آدمی کا سُراغ لگانا ہے — جس نے تہ خانہ بنوایا تھا۔" محمود نے کہا۔

"لیکن اس کا سُراغ لگانا آسان کام نہیں ہو گا۔" فاروق بولا۔

"بھئی مشکل کیا اور آسان کیا — ایک کام جب کرنا ٹھہرا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"رضوان حلیمی دس سال پہلے بھی ایک اہم آدمی تھے — انھوں نے جب یہ عمارت بنوانا شروع کی تو ان کے نزدیک کون لوگ تھے — یہ معلوم کرنا چاہیے، کیونکہ یہ حرکت کسی نزدیکی آدمی کی ہو سکتی ہے۔"

"تب پھر ہم رضوان حلیمی صاحب سے مل لیتے ہیں، وہ اپنے زیادہ نزدیکی لوگوں کے نام ہمیں بتا ہی دیں گے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

انھوں نے پھر رضوان سے بات کی — مستری کا بیان

سُن کر اس نے پلکیں جھپکائیں — اور بولا :

"میرے لیے اس سے بڑھ کر حیرت کی بات کیا ہو گی — کہ میری عمارت کے نیچے کسی نا معلوم آدمی نے تہ خانہ بنوایا تھا اور یہ کام کروانے کے لیے اس نے دس لاکھ روپے مستری کو دیے تھے — کمال ہے"۔

"جی ہاں ! کمال تو خیر ہے — لیکن ہم اس کا سُراغ لگانا چاہتے ہیں — اس سلسلے میں آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"جو آپ فرمائیں — اس لیے کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ میں آپ کی مدد کس طرح کر سکتا ہوں"۔

"دس سال پہلے — آپ اپنے نزدیکی دوستوں کے نام بتا سکتے ہیں؟"

"یہ تو ایک مشکل کام ہوگا ، اس لیے کہ مجھے دیکھنا پڑے گا ، آج جو میرے دوست ہیں ، کیا وہ دس سال پہلے بھی تھے — کیونکہ ان دس سالوں کے دوران نئے دوست بنے ہوں گے اور پرانے دوست دوست نہ رہے ہوں گے ، کوئی کہیں چلا جاتا ہے تو کوئی کہیں"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں ، یہ تو خیر ہوتا ہی رہتا ہے — لیکن آپ دس سال پہلے کی ڈائری دیکھ سکتے ہیں — اس

...ں ان دوستوں کے نام ضرور مل جائیں گے جو آپ ...ے نزدیکی دوست تھے"۔

"ہوں ! میں ابھی دیکھتا ہوں — آپ کو چند منٹ انتظار ...رنا پڑے گا"۔

"وہ تو اپنا نصیب ہے"۔ فاروق بڑبڑایا۔

"جی — کیا فرمایا؟" رضوان حلیمی نے چونک کر کہا۔

"یہ کہ رہے ہیں — انتظار کرنا تو ہماری مجبوری ہے"۔ ...راز مسکرائی۔

اور وہ بھی مسکراتے ہوئے اندرونی حصّے کی طرف چلے ...ے — آدھ گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی — اور پھر چند ...م اور پتے ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولے :

"یہ دوست میرے زیادہ نزدیک رہے ہیں اور یہ ...ب بھی میرے دوست ہیں"۔

انھوں نے ناموں پر ایک نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر انھیں ...ھوڑے حیرت ہوئی کہ ان میں ایک نام اجلال کامی کا ...ی تھا — اجلال کامی کا نام دیکھ کر وہ اس لیے چونکے ...کہ میٹنگ میں واحد آدمی وہ تھے جو شریک ہوئے تھے — باقی پانچ سو ننانوے آدمی سرے سے آئے بھی نہیں تھے :

"پروفیسر صاحب — آپ ذرا تہ خانے میں چک کرنا

پسند کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے ایک خیال کے تحت کہا۔

"کک۔ کیا؟"

"ہم نے اب تک تہ خانے کو چیک نہیں کیا۔ بم اگر چھپائے جاتے تو وہاں۔ دیکھنا یہ ہے کہ بم رکھے گئے تھے یا نہیں۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔ ابھی دیکھ لیتے ہیں۔"

تہ خانے میں جا کر انھوں نے اپنے آلات آن کیے اور پھر زور سے چونکے:

"اوہو! یہاں تو بم موجود ہیں۔"

"دیکھا۔ بم دراصل یہاں تھے۔ ہم ان کو اوپر کس طرح تلاش کر لیتے۔"

جلد ہی تہ خانے کے چاروں کونوں میں چار بم رکھے مل گئے۔ ان کے لیے بھی وہاں خفیہ خانے موجود تھے۔ یہ ٹائم بم تھے۔ لیکن ابھی ان پر ٹائم سیٹ نہیں کیا گیا تھا۔

"مطلب یہ کہ اگر چھے سو آدمی اوپر آ جاتے تو یہ عمارت اڑ گئی تھی۔ اس وقت وہ باہر سے آ کر ٹائم سیٹ کر جاتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن کیسے ابا جان! یہاں تو ہم موجود تھے۔"

بھی۔ اندر آنے سے پہلے وہ کوئی گیس اندر چھوڑ دیتا۔ اور خود گیس ماسک پہن کر اندر آ جاتا۔ جس مجرم نے اتنا بڑا تہ خانہ عمارت کے مالک کے علم میں لائے بغیر بنوا لیا۔ اس کے پاس اور کیا کچھ وسائل نہیں ہوں گے اور یہ ایسے لوگ انشارجہ جیسے ملکوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ یہ بڑی طاقتیں انھیں ہر قسم کے آلات اور دوسری چیزیں بھی مہیا کرتے ہیں۔ اب ان بموں کو ہی لے لو۔ یہ ہمارے ملک میں بنے ہوئے ہرگز نہیں ہوں گے۔"

بم دیکھنے کے بعد ان کی اس بات کی بھی تصدیق ہو گئی۔ بم انشارجہ کے ہی ثابت ہوئے۔ پروفیسر داؤد نے ایسے میں کہا:

"اُف مالک۔ یہ کس قدر اچھا ہوا کہ باقی لوگ یہاں آئے ہی نہیں۔ اور مجرم نے اپنے بموں کو ضائع کرنا پسند نہ کیا۔ ورنہ ہم سب تو گئے تھے کام سے۔"

"نہیں انکل۔ ہم کام سے نہیں جا سکتے تھے۔ اس لیے کہ ابھی موت کا وقت نہیں آیا تھا اور اگر مرنے کا وقت آ گیا ہوتا۔ تو دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں موت سے نہیں بچا سکتی تھی۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"تمھاری بات بالکل ٹھیک ہے — میں روانی میں بالکل
غلط بات کر گیا۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"سوال یہ ہے — کہ اب ہم اس آدمی کا سُراغ کس
طرح لگائیں، جس نے دس سال پہلے یہ تہ خانہ بنوایا تھا۔"

"بھئی فرزانہ تمھارے ساتھ ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ہاں! وہ تو ہے — لیکن آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"ترکیب فرزانہ سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔"

"بہت خوب انکل — شکریہ! اتنی کام کی بات آپ
نے یاد کرائی — ہاں تو فرزانہ — ہو جائے ایک عدد شاندار
سی ترکیب — جس پر ہم فوراً عمل کر سکیں اور یہ جان
سکیں کہ وُہ کون تھا — جس نے تہ خانے بنوانے کے لیے
مستری کو دس لاکھ روپے دیے تھے۔"

"بالکل سامنے کی ترکیب ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"سامنے کی ترکیب ہو یا پیچھے کی — ہمیں ترکیب سے
غرض ہے — چلو بتاؤ۔"

"میرا مطلب ہے — سامنے کی ترکیب تم دونوں کو کیوں
نہیں سوجھ رہی۔"

"ہم دونوں کی عقل اس وقت سامنے سے ذرا پیچھے چلی
گئی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں فرزانہ کی سامنے کی ترکیب سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جب کہ میرا خیال ہے — آپ مجھ سے بھی پہلے سوچ
چکے تھے۔" فرزانہ نے بغور ان کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں — میں نے تم سے پہلے اندازہ لگایا تھا یا
تم نے مجھ سے پہلے — اس لیے کہ اس لمحے میں نے نوٹ
نہیں کیا تھا — خیر — تم ترکیب بتاؤ۔"

"مستری کے اکاونٹ میں دس لاکھ جس تاریخ کو جمع
ہوئے — اس سے ایک یا دو دن پہلے جس دوست کے
اکاؤنٹ سے دس لاکھ نکالے گئے — بس وہی مجرم ہے —
یا پھر وہ وضاحت کرے گا کہ دس لاکھ اس نے کس
سلسلے میں نکالے تھے — دس لاکھ اتنی چھوٹی رقم بھی نہیں ہوتی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا —

اُن کا مُجرم

رضوان حلیمی نے جن دوستوں کے نام دیے تھے — انھوں نے بذریعہ فون ان سے ان کے بنکوں کے نام معلوم کیے — دس سال پہلے ان کے اکاؤنٹ جن بنکوں میں تھے — ان کے نام نوٹ کرنے کے بعد انھوں نے ایک ایک بنک میں چیکنگ کی — کہ دس لاکھ کی رقم کس کے اکاؤنٹ سے نکلوائی گئی تھی — اس کام میں ان کے تین گھنٹے ضائع ہوئے، لیکن ایک دوست کے اکاؤنٹ سے بھی دس لاکھ نہیں نکالے گئے تھے — بلکہ ان دوستوں کے بنکوں میں تو اس وقت اتنی بڑی رقم موجود بھی نہیں تھی

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"اب کیا کریں؟"

"کرنے کے لیے اب صرف صبر رہ گیا ہے۔" فاروق بولا۔

انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر بولے:

"صبر تو خیر ہم کر رہے ہیں، لیکن صبر کے ساتھ کام بھی ضروری ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے — یا تو یہ کام حلیمی صاحب کے کسی دوست کا نہیں ہے — اور اگر ہے تو پھر اس دوست کا نام اس فہرست میں نہیں ہے۔"

"لیکن جمشید — بعض لوگوں نے خفیہ اکاؤنٹ بھی تو کھولے ہوتے ہیں۔"

"ہاں! ہمیں بہت محنت کرنا پڑے گی — یہ جاننے کے لیے کہ ان دو تین دنوں میں دس لاکھ کس نے اپنے بنک سے نکلوائے تھے — دس لاکھ ایک ہی وقت میں نکلوانے والے ان دو تین دن میں چند ایک ہی ہوں گے اور ہم انھیں آسانی سے چیک کر سکیں گے — لیکن اصل مسئلہ ہے — تمام بنکوں کو چیک کرنا۔" پروفیسر داؤد نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن ہم تمام بنک کیوں چیک کرتے پھریں انکل۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمام مرکزی شاخوں میں ان کے ہر بنک کا حساب کتاب روزانہ آتا ہے — لہٰذا ہم صرف مرکزی شاخوں میں ان تاریخوں کو چیک کر لیتے ہیں — اس طرح ہمیں ان گنت بنکوں میں نہیں جانا پڑے گا۔"

”بہت خوب جمشید — ان حالات میں یہ بہت بہترین
ترکیب ہے — اور اب مجھے کامیابی سامنے نظر آنے لگی
ہے۔“ خان رحمان خوش ہو کر بولے۔
تینوں نے فوراً سامنے دیکھا، لیکن وہاں تو دیوار تھی۔
اب انھوں نے یہ مہم شروع کی — بنکوں سے اس قسم
کی معلومات حاصل کرنا آسان کام نہیں ہوتا، لیکن انسپکٹر
جمشید اور کارڈ نے ان کا کام آسان کر دیا — ریکارڈ ان
کے سامنے پیش کیے جاتے رہے — وہ چیک کرتے رہے
لیکن دس لاکھ کی رقم کہیں بھی نظر نہ آئی؛ تاہم ایک شخص
نے گیارہ لاکھ روپے ضرور نکلوائے تھے — انھوں نے اس
پر نشان لگا دیا —
”بس — صرف یہ ایک ایسا شخص نظر آیا ہے — جس
نے گیارہ لاکھ روپے نکلوائے تھے — ہو سکتا ہے —
ایک لاکھ روپے اس نے کسی اور ضرورت کے لیے نکلوائے
ہوں اور دس لاکھ مستری کو ادا کیے ہوں۔“
”خیر — ہمارے پاس وقت ہے — ہم چیک کریں گے —
دیکھیں گے کہ اس نے دس لاکھ کہاں خرچ کیے اور ایک لاکھ
کہاں۔“ انسپکٹر جمشید پُرجوش انداز میں بولے، پھر ان کی
نظریں محمود، فاروق اور فرزانہ پر جم گئیں۔

”ج — جی — کیا مطلب؟“ وہ ہکلانے۔
”براہِ راست یہ بات پوچھنے سے یہ کہیں بہتر رہے گا
کہ تم رات کے وقت اس گھر میں داخل ہو کر چیک
کرو — تمھارے پاس پوری رات پڑی ہے — چیک کرنے
کے لیے۔“
”ل — لیکن ابّا جان — رات کا کچھ حصّہ تو سو کر بھی
گزارنا ہوتا ہے۔“ فاروق گھبرا کر بولا — انسپکٹر جمشید ہنس
پڑے اور بولے:
”تو تم اپنا کام جلد از جلد ختم کر لینا — تاکہ باقی ماندہ
رات سو کر گزار سکو۔“
”دھت تیرے کی۔“ فاروق نے تلملا کر کہا اور محمود
کی ران پر ہاتھ مارا۔
”یہ میری ران ہے۔“
”تو میں نے کب کہا ہے — کہ میری ہے۔“
”تو پھر — تم نے میری ران پر کیوں مارا؟“
”تکیہ کلام تمھارا تھا — ران بھی تمھاری ہونی چاہیے
تھی۔“ وہ مسکرایا۔
”حد ہو گئی — تمھیں ران کی پڑی ہے اور یہاں مجرم
کی پڑی ہے۔“ فرزانہ نے جھنجلا کر کہا۔

" چلو پڑی ہی ہے نا — گری تو نہیں۔" فاروق فوراً بولا۔

" اب تم سے کون مغز مارے۔" محمود نے تنگ کر کہا۔

" تم — اور کون مارے گا — اور کس کے پاس بے کار وقت ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

" ہائیں — ہمارے پاس بے کار وقت ہے — کیوں فرزانہ۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

" ہرگز نہیں — یہ اس کی غلط بیانی ہے — اسے سزا دینا پڑے گی۔"

" بس بس — پہلے کام۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

" تو پھر ہم جا رہے ہیں — آپ ہمارے لیے دعا کریں۔" محمود نے فوراً کہا۔

" اللہ تمہاری حفاظت فرمائے اور مدد فرمائے، تم کامیاب لوٹو۔" انسپکٹر جمشید نے دعا دی۔

وہ مسکراتے ہوئے چل پڑے — رات تاریک تھی — ایک کوٹھی کے نزدیک رک کر انھوں نے اس کا جائزہ لیا — اور پھر پچھلی طرف آ کر وہ رک گئے — فاروق نے جوتے اتارے اور پائپ پر چڑھنے لگا — چھت پر پہنچ کر اس نے زینے کا رخ کیا — یہ دیکھ کر اس کی حیرت اور خوشی میں اضافہ ہو گیا کہ زینہ بھی دوسری

طرف سے بند نہیں تھا — اب وہ نیچے اترا — ایک دروازہ کھول کر اس نے ان دونوں کو بھی اندر بلا لیا —

تینوں نے پنسل ٹارچ کی روشنی میں اپنا کام شروع کیا — انھیں اپنے کام میں دو گھنٹے لگ گئے — اس دوران انھیں ہر آن یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں کسی کی آنکھ نہ کھل جائے — آخر وہ وہ فائل تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے — جہاں اس تاریخ میں ایک لاکھ روپے کے اخراجات کا حساب کتاب لکھا ہوا تھا، لیکن باقی دس لاکھ کے حساب کتاب کا وہاں کوئی اندراج نہیں تھا — محمود نے فائل بغل میں دبائی — اور باہر کی طرف چلے، لیکن جونہی وہ باہر نکلے — کسی نے ان پر بڑے ماہرانہ انداز میں چھلانگ لگائی اور تینوں کو چھاپ بیٹھا — اور پھر آن کی آن میں فائل چھین کر یہ جا وہ جا — تینوں ہکا بکا رہ گئے:

" حیرت ہے — یہ آدمی تھا یا چھلاوہ۔"

" اس قدر ماہرانہ انداز میں آج تک ہم پر کسی نے چھلانگ نہیں لگائی ہو گی اور مزے کی بات یہ کہ ہم میں سے کسی کو چوٹ بھی نہیں آئی۔"

" لیکن افسوس! ہماری محنت برباد ہو گئی — اب ہم

مُجرم کے خلاف ثبوت کہاں سے حاصل کریں گے۔"

"اور ابّا جان جو مذاق اڑائیں گے — وہ رہا الگ۔"

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور — ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح کوئی ہم پر حملہ آور بھی ہو سکتا ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں — یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ ہمارا مجرم کون ہے۔"

"ہاں بالکل۔"

آخر وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے — اچانک انھیں رک جانا پڑا — سڑک کے بیچوں بیچ دو کاریں اس طرح کھڑی تھیں کہ تیسری کسی طرح نکل کر آگے نہیں جا سکتی تھی — یہ دیکھ کر فاروق بولا:

"معلوم ہوتا ہے — سڑک کا یہ حصّہ ان لوگوں نے خرید لیا ہے — اور اب ٹیکس وصول کریں گے۔"

"اے بھائی صاحب — کیا بات ہے؟" محمود نے کہا۔

"نیچے اُتر آؤ — چیکنگ کرانا ہو گی۔"

وہ نیچے اتر آئے — اب پہلے ان کی تلاشی لی گئی، پھر ایک نے کہا:

"وہ فائل کہاں ہے؟"

"فن — فائل — گگ — کون سی فائل کی بات کر رہے ہیں" فاروق نے کانپ کر کہا۔

"وہ جو تم ابھی نکال کر لائے ہو۔"

"ارے میاں جاؤ — کسی اور سے مذاق کرو۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اچھا تو میں مذاق کر رہا ہوں — جنگو — ان کی اور ان کی کار کی اچھی طرح تلاشی لینا ذرا۔"

"ضرور ضرور — کیوں نہیں۔"

ان کی طرف تین پستول تنے ہوئے تھے — وہ بھی تین مختلف سمتوں سے — گویا انھیں روکنے والے ان سے اچھی طرح واقف تھے — ان کی طرف تین آدمی بڑھے — یہ ان کے علاوہ تھے جو پستول لیے کھڑے تھے — وہاں ایک ساتواں آدمی بھی تھا جو انھیں حکم دے رہا تھا، ان ساتوں کے چہروں پر نقاب نہیں تھے — لہٰذا انھوں نے جلدی جلدی ان کے چہرے اچھی طرح دیکھ لیے اور حلیے ذہن میں بٹھا لیے —

ان کی اچھی طرح تلاشی لی گئی — کار کو دیکھا بھالا گیا، یہاں تک کہ ڈکی کو بھی کھولا گیا، لیکن فائل وہاں کہاں تھی جو ملتی —

"حیرت ہے — فائل کہاں گئی۔"

"سچ بات بتا دیں۔" محمود مسکرایا۔

"ہاں بتاؤ۔"

"فائل تم سے پہلے کسی نے اڑا لی ہے — اور ہم ناکام لوٹ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اب اس بات کا ہم کیا مطلب بتائیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"انھوں نے فائل ضرور اِدھر اُدھر کر دی ہے، لہٰذا ان سے اگلوانا پڑے گا کہ فائل کہاں ہے۔"

"لیکن اگلوانے کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے — انھیں اپنے ٹھکانے پر لے جانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے — چلو بھئی — تم اپنی گاڑی میں بیٹھ جاؤ — لیکن بھئی اس طرح تو یہ کوئی کام دکھا جائیں گے، انھیں باندھ دینا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے استاد۔"

اور پھر انھیں باندھ دیا گیا — وہ اگر چاہتے تو وہ لوگ انھیں باندھ نہیں سکتے تھے، لیکن کچھ سوچ کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بندھوانے کا

بھلا کر لیا — تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت کے ایک کمرے میں ان کے سامنے فرش پر موجود تھے:

"ہاں! اب بتاؤ — فائل کہاں ہے؟"

"وہ اب تک ہمارے گھر پہنچ چکی ہو گی۔"

"کیا مطلب؟"

"جو شخص ہم سے فائل اڑا لے گیا — کوئی معمولی آدمی نہیں تھا — اس لیے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ فائل ہمارے گھر پہنچ چکی ہو گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"پتا نہیں، بات ہوئی ہے یا نہیں — بات کے ہونے نہ ہونے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ لوگ یوں نہیں مانیں گے — لوہے کی سلاخیں گرم کرو۔"

"بہت خوب! پھر تو پروگرام رنگین بن جائے گا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

اب چونکہ وہ بندھے ہوئے تھے — اس لیے ان لوگوں نے اپنے پستول جیبوں میں رکھ لیے تھے — اچانک محمود نے ایک قہقہہ لگایا۔

"ہائیں — پاگل ہو گئے ہو کیا؟"

"نہیں، تم لوگوں کو پاگل کرنے کا پروگرام ہے۔"

"اچھا — کیا واقعی۔"

"ہاں! یہ دیکھو۔"

انھوں نے ایک دم اپنے ہاتھ اُٹھا دیے — اور پھر بجلی کی سی تیزی سے ان پر ٹوٹ پڑے — انھیں اس کی ایک فی صد بھی اُمید نہیں تھی — پہلے ہی ہلے میں وہ بوکھلا اُٹھے، پھر ان کے تابڑ توڑ وار انھیں سنبھلنے کا موقع کہاں دیتے بھلا — جلد ہی وہ ساتوں بے بس پڑے نظر آئے — محمود، فاروق اور فرزانہ ان پر پستول تانے کھڑے تھے اور وہ انھیں اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جیسے وہ اس دنیا کی نہیں — کسی دوسری دُنیا کی مخلوق ہوں —

"اب تم بتاؤ دوستو — تم کس کے لیے کام کر رہے ہو — اگر تم نہیں بتاؤ گے تو پھر — ہمارے انکل اکرام یہاں آئیں گے اور تم انھیں نہیں جانتے — وہ اگر یہاں آ گئے تو پھر تمھیں یہاں سے کمرۂ امتحان تک لے جائیں گے — اور وہاں تم فرفر بولنے لگو گے — اب فیصلہ تمھارے ہاتھ ہے۔" فارُوق نے جلدی جلدی کہا۔

انھوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا — ایسے میں کمرے

میں ایک آواز گونجی:

"بے وقوفو — انھیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی — وہیں ختم کر دیا ہوتا — اب میرا کمال دیکھو۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہاں ایک ہولناک دھماکا ہوا —

لڑاکا

شہر کے ایک سرکاری ہال میں اس وقت ان چھ سو آدمیوں کی میٹنگ طے تھی جو حلیمی ہال میں نہیں آ سکے تھے — انسپکٹر جمشید کی خفیہ فورس نے حفاظتی انتظامات اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے — انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے ساتھ دروازے پر موجود تھے — آج صدر صاحب کی بجائے وہ مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے — انھوں نے صدر صاحب کو آرام کرنے کا موقع دیا تھا۔

"جمشید — محمود، فاروق اور فرزانہ کا اب تک کوئی پتا نہیں چلا — اور تم ذرا بھی فکر مند نہیں ہو۔"

"میرے فکر کرنے سے تو وہ آ نہیں جائیں گے — اللہ کو جب منظور ہو گا، آ جائیں گے۔"

"لیکن وہ مجرم کے خلاف ثبوت لانے گئے تھے۔"

"ہاں! اس ثبوت کے چکر میں ہی وہ کہیں پھنس گئے ہیں،

آپ اللہ سے دعا کریں اور مہمانوں کا استقبال کریں۔"

"ان مہمانوں کا استقبال کرنے کو دل تو کرتا نہیں — یہ ای بزدل ہیں — جو حلیمی ہال میں نہیں آئے تھے۔"

"ہاں! ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔"

آخر تمام مہمان آ گئے — انسپکٹر جمشید بھی ہال میں آ گئے، ہال کے دروازے بند کر دیے گئے — صرف محمود، فاروق اور فرزانہ کے بارے میں ہدایات دے دی گئیں — اگر وہ آئیں تو انھیں اندر آنے دیا جائے — اب انسپکٹر جمشید اٹھے اور مائیک کے سامنے کھڑے ہو گئے:

"حضرات! یہ میٹنگ دراصل حلیمی ہال میں رکھی گئی تھی — ہم سب کو — یعنی چھ سو کے قریب ملک کے ذہین ترین لوگوں کو مل کر یہ سوچنا تھا کہ ہم بڑی طاقتوں کے اثر سے کس طرح نکل سکتے ہیں — کہنے کو ہم آزاد ہیں — ہمارا ملک آزاد ہے — لیکن دیکھا جائے تو ہم غلاموں سے بھی بد تر ہیں — انشارجہ جو چاہتا ہے — ہمارے ملک میں کرتا ہے — ہم ڈرتے ہیں — انشارجہ نے ہماری مدد نہ کی تو ہم کیسے جئیں گے — انشارجہ نے اسلحے کے ذریعے ہماری مدد نہ کی تو ہم شارجستان سے جنگ کی صورت میں کس طرح مقابلہ کر سکیں گے — اسی قسم کی اور بہت سی

سوچوں کے ہم غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ ہم نے سوچا
تھا۔ ملک کے تمام قسم کے بڑے ماہرین کو ایک جگہ
جمع کیا جائے، تاکہ وہ اس بارے میں اپنی اپنی تجاویز
دیں۔ ان پر غور کیا جائے اور پھر کوئی عملی قدم
اٹھایا جائے۔ لیکن ہمارے اس پروگرام کے بارے میں
جب انشارجہ کو پتا چلا تو اس نے اپنا پروگرام ترتیب
دیا۔ یہ کہ یہ اجلاس نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس نے
حلیمی ہال کو اڑانے کا پروگرام بنا لیا۔ یہاں موجود اپنے
ایک بڑے ایجنٹ کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ اس
عمارت کو بموں کے ذریعے عین اس وقت اڑا دے گا
جب میٹنگ ہو رہی ہو گی۔ ہمیں بھی ہمارے ایجنٹوں
کے ذریعے یہ بات معلوم ہو گئی۔ اور ہم نے مشورہ
کیا کہ کیا کیا جائے۔ سب کی رائے یہ تھی کہ جگہ
تبدیل کر دی جائے۔ لیکن میرا اور صدر صاحب کا مشورہ
یہ تھا کہ جگہ تبدیل نہ کی جائے۔ سازش کرنے والے
کو پکڑا جائے۔ کیونکہ اس کو پکڑنا بہت ضروری تھا،
وہ شخص اس سے پہلے ہمارے ملک کو نہ جانے کس
قدر نقصان پہنچا چکا تھا۔ میں چاہتا تھا۔ وہ اب کوئی
اور نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور اسے اس وقت پکڑا جا سکتا

تھا، جب میٹنگ وہیں ہوتی اور پروگرام کے مطابق ہوتی۔
لیکن آپ سب لوگ وہاں نہیں پہنچے۔ موت سے ڈر گئے
آپ لوگ۔"

"یہ۔ یہ غلط ہے۔ الزام ہے۔ اور ہم اس قدر بے عزتی
برداشت نہیں کر سکتے۔" کئی لوگ چلا اُٹھے۔

"اگر آپ لوگ ڈرے نہیں تھے۔ تو پھر وہاں پہنچے
کیوں نہیں۔"

"ہمیں خودکشی کا کوئی شوق نہیں۔ اور یہ صاف خود
کشی ہوتی۔"

"لیکن۔ آپ کو معلوم تھا کہ حفاظتی انتظامات ہر طرح
سے کیے گئے ہیں۔ ہر قسم کے آلات کے ذریعے، ماہرین
کے ذریعے اور بہترین قسم کے محافظوں کے ذریعے۔
ان حالات میں آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی،
لیکن آپ ڈر گئے۔ اور نہیں آئے۔"

"پھر وہی بات۔"

"تو آپ لوگ بتائیں نا۔ آپ کیوں نہیں آئے؟"

ہال میں کھچڑی سی پک گئی۔ ہر کوئی اپنی اپنی کہہ رہا
تھا۔ آخر انسپکٹر جمشید کی آواز گونج اُٹھی:

"چلیے مان لیتے ہیں۔ آپ لوگ ڈر کی وجہ سے نہیں،

کسی اور وجہ سے نہیں آئے تھے — لیکن اب آپ ایک
خبر اور سن لیں۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ دشمنوں نے اس ہال کے نیچے بھی بم چھپا دیے ہیں۔"

"کیا — نہیں" سب لوگ پورے زور سے چلائے۔

"ہاں! اور اب پندرہ منٹ کے اندر پھٹنے والے ہیں۔"

"نہیں — نہیں" سب بوکھلا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور
دروازے کی طرف بھاگے، لیکن تمام دروازے اندر
سے بند تھے — ادھر انسپکٹر جمشید نے فوراً یہ جائزہ لے
لیا تھا کہ خوف زدہ ہو کر بھاگنے والوں میں کون کون
شامل نہیں تھا — وہ مسکرا دیے — ایسا صرف ایک
آدمی تھا:

"دروازے بند ہیں — دروازے اس قدر مضبوط ہیں
کہ سب مل کر بھی ان کو نہیں توڑ سکتے — لہٰذا آرام
سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔"

"نن — نہیں — آپ ہمیں کیوں موت کے منہ میں دھکیل
دینے پر تُل گئے ہیں۔"

"اس لیے کہ — ابھی آپ نے کہا تھا — ہم بزدل نہیں
ہیں — موت سے نہیں ڈرتے — تو پھر بیٹھے رہیے نا۔"

"تت — تو آپ صرف ہمارا امتحان لے رہے تھے — یہاں
کوئی بم دم نہیں ہیں۔" بہت سے لوگ ایک ساتھ بولے اور
پھر اپنی کرسیوں پر بیٹھنے لگے —

"میں نے غلط نہیں کہا تھا — یہاں واقعی بم رکھ دیے
گئے ہیں، لیکن وہ بم مجرم نے نہیں — میں نے رکھوائے ہیں۔"

"کیا کہا — آپ نے رکھوائے ہیں؟"

"ہاں! اگر یقین نہیں تو آپ کو بم نظر بھی آ سکتے ہیں،
ان پر پھٹنے کا وقت بھی آپ لوگ پڑھ سکتے ہیں۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — ہمارے ساتھ کیسا کھیل
کھیل رہے ہیں؟"

"صرف اور صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ موت سے کون
ڈرتا ہے اور کون نہیں ڈرتا — بم پھٹنے میں صرف ایک
منٹ باقی ہے۔" انھوں نے پُرسکون اور ٹھہری ہوئی آواز
میں کہا —

"کیا!!!" بے شمار لوگ دھاڑے — اور ایک بار پھر دروازے
کی طرف بھاگے — اس مرتبہ ان کے علاوہ کوئی بھی بیٹھا
نہیں رہ گیا تھا — یعنی ان کے اور ان کے ساتھیوں کے
علاوہ — اس بار تو وہ بھی نہیں بیٹھا رہ گیا تھا —
جو پہلے اعلان کے وقت بیٹھا رہا تھا — لیکن اس مرتبہ

کے اعلان میں فرق یہ تھا کہ بم مُجرم نے نہیں، خود
اِنسپکٹر جمشید نے رکھوائے ہیں

وُہ سب مل کر دروازوں پر زور لگانے لگے۔
صاحب گھبرا کر بولے:

"جمشید۔ کہیں دروازے ٹوٹ ہی نہ جائیں۔"

"نہیں ٹوٹیں گے سر۔ میں نے خوب سوچ کر عمارت
کا انتخاب کیا ہے۔ انھیں زور لگا لینے دیں۔" وُہ
دبی آواز میں بولے۔

وُہ زور لگا لگا کر تھک گئے۔ ان کے جسم پسینے
پسینے ہو گئے اور پھر ایک منٹ پورا ہو گیا۔

"ارے! ایک منٹ تو پورا ہو بھی گیا۔ بلکہ اب
تو دو منٹ ہو گئے۔ اور بم نہیں پھٹے۔" کسی نے چلّا کر کہا۔

"ہاں! بم نہیں پھٹے اور نہ پھٹیں گے۔ اس لیے کہ
ابھی ہم نے ان کی پنیں نہیں نکالیں۔"

"یہ۔ یہ کیا بات ہوئی۔ آخر ہمیں خوف زدہ کرنے
کی کیا ضرورت تھی؟"

"آپ کو نہیں۔ مجرم کو۔ مجرم کو بل سے نکالنے کی
ترکیب تھی یہ۔ آپ لوگ اطمینان سے بیٹھ جائیں۔"

سب بیٹھ گئے۔ انھیں پُرسکون ہوتے دیر نہ لگی۔

اب اِنسپکٹر جمشید بولے:

"حلیمی ہال میں ہم لوگوں کے علاوہ چھ سو میں سے
صرف ایک آدمی آیا۔ اور وہ تھے اجلال کاظمی صاحب
ہم نے خیال کیا۔ یہ بہت بہادر ہیں، موت سے بالکل
نہیں ڈرتے۔ رہ گئے حلیمی صاحب۔ وُہ تو میزبان تھے۔
کہیں جا ہی نہیں سکتے تھے؛ تاہم موت کا خوف ان کے
چہرے پر میں نے دیکھ لیا تھا۔ نہ نظر آیا تو اجلال
کے چہرے پر۔ جب میں نے یہاں اعلان کیا کہ مجرم
نے یہاں بھی بم نصب کر دیے ہیں تو باقی سب لوگ
تو خوف زدہ ہو کر دروازوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے،
لیکن اجلال نہ گئے۔ اس لیے کہ اس کیس کے مجرم
تو یہی ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ یہاں بم انھوں نے رکھوائے
ہی نہیں۔ لٰہذا یہ نہ اٹھے۔ لیکن جب میں نے بتایا
کہ اس بار بم مجرم نے نہیں۔ میں نے رکھوائے ہیں
تو یہ بھی بھاگ نکلے۔ فرق صاف ظاہر ہے۔ یہ
مجرم ہیں۔"

"لیکن۔ کیا اس ثبوت کو آپ عدالت میں پیش کر
سکیں گے؟"

عین اس وقت ہال کا ایک دروازہ کھلا اور محمود،

فاروق اور فرزانہ اندر داخل ہوئے:

"ثبوت ہم لے آئے ہیں — یہ رہی وہ فائل۔ جس میں دس لاکھ روپے نکلوائے تو گئے ہیں، لیکن ان کا خرچ کہیں نہیں دکھایا گیا — جب کہ اس تاریخ میں یہ دس لاکھ روپے مستری صاحب کے اکاؤنٹ میں جمع کرائے گئے ہیں — اگر یہ بات درست نہیں۔ تو پھر اجلال کامی صاحب یہ بتا دیں — اور ثابت کر دیں کہ دس لاکھ روپے انھوں نے اس روز کہاں خرچ کیے ہیں۔"

محمود کے الفاظ نے سناٹا طاری کر دیا۔ سب لوگ اجلال کی طرف مڑے، لیکن اب وہاں صرف اور صرف تاریکی نظر آ رہی تھی۔

"لیکن تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟"

"ہم نے فائل تو حاصل کر لی تھی، لیکن اجلال کامی کے ایک بہت ہی بہترین قسم کے لڑاکے نے فائل اچک لی — ہم ناکام لوٹ رہے تھے تو ہمیں اس نے اغوا بھی کرا لیا، لیکن جس جگہ رکھوایا — وہیں اس لڑاکے نے فائل بھی رکھی تھی — اُن کا خیال تھا کہ ہم قید سے کسی طرح بھی نہیں نکل سکیں گے — لیکن اللہ کی مہربانی سے نہ صرف ہم نکل آئے، بلکہ فائل بھی دوبارہ لے آئے۔

بلکہ یہ وہاں ہماری آنکھوں کے سامنے ہی رکھ دی گئی تھی، ہمیں بری طرح باندھ دیا گیا تھا اور یہ چیلنج کیا گیا تھا کہ — اگر اپنے آپ کو ان رسیوں سے چھڑا سکتے ہو تو چھڑا لو — اور انعام کے طور پر یہ فائل لے جانا — وہ لڑاکا اور اس کے ساتھی یہ کہہ کر چلے گئے — اور ہم نے اپنی کوشش شروع کر دی — اور اب یہاں ہیں۔"

"سور کا بچہ۔" اجلال کامی نے چلّا کر کہا۔

"کون — یہ آپ نے کس کی تعریف بیان فرمائی؟"

"اسی لڑاکے کی — کُتّے نے میرا سارا کھیل خراب کر دیا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کا کھیل خراب تو ہوا۔" فاروق نے کہا۔

اور وہ مُسکرانے لگے۔